ایک فکری گمراہی

تالیف

ڈاکٹر ابو عدنان سہیل

مکتبہ قدوسیہ

ڈاکٹر ابو عدنان سُہیل

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

فصل سوم

فصل چھارم

فصل پنجم

انتساب

ملت اسلامیہ کے ان ذی شعور اور بالغ نظر افراد کے نام! جو اس دورِ انحطاط میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور قرآن وسنت کے احکام وہدایات پر عمل کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں! جو اپنی عقل ووجدان پر کامل بھروسہ کرنے کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے طرز فکر اور طریقہ عمل کو اپنے لیے مشعلِ راہ بناتے ہیں!!

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل

عَنِ الْکِتاب

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں خاتم الأنبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے وجودِ مسعود کو منصبِ بعثت ورسالت سے سرفراز فرما کر اہل ایمان واسلام پر اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿164﴾ ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

''اللہ نے ایمان والوں (مسلمانوں) پر بڑا فضل (احسان) کیا کہ انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا (یعنی وہ آدمی ہیں، نہ کہ جن اور فرشتہ) جو اس کی آیات انہیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور شرک کی گندگی سے ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن وحدیث سکھاتا ہے۔ اور بے شک وہ تو (اس نبی کے آنے سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' بعینہٖ یہی مضمون سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹، آیت: ۱۵۱ اور سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۲ میں بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن نے ان تمام آیات میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے تین بنیادی مقاصد بیان فرمائے ہیں:

- ① بصورتِ تلاوتِ قرآن، تبلیغ کتاب
- ② تزکیۂ نفوس
- ③ کتاب وحکمت کی تعلیم

پہلے منصب ومقصد کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی کتاب، قرآن مجید کے ان الفاظ، کلمات اور آیات کو آگے اُمت تک پہنچا دینا کہ جو اللہ ذوالجلال کی طرف سے سیدنا جبریل علیہ السلام لے کر آتے رہے جیسے کہ رب تعالیٰ کا حکم تھا:

''اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی (بصورتِ اوامر ونواہی ارشاداتِ مقدسہ) اُتارا گیا ہے وہ تمام لوگوں تک (بے کھٹکے سب کا سب) پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی تبلیغ وتلاوتِ قرآن میں خیانت کی) تو تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کر سکے) اور اللہ تعالیٰ

تمہیں لوگوں سے (کہ جو اس منصب کی ادائیگی کے ردِ عمل میں تمہاری جان کے درپے ہوں گے) بچالے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ پر نہیں لاتا۔" [المائدہ: ٦٧]

رسول اللہ ﷺ نے توحید باری تعالیٰ کے ذریعے شرک وخرافات کی بیخ کنی کر کے تزکیہ نفوس کے ساتھ جو صدیقین وشہداء اور صلحاء واولیاء اللہ کی اُمت صالحہ ومصلحہ، خیر الامم تیار فرمائی ویسی جماعتِ حقہ اس دنیا پر آسمانِ دُنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

باقی رہا تیسرا منصب ...... قرآن وحکمت کی تعلیم؟ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾ ﴾ [النحل: ٤٤]

"اور (اے ہمارے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے تم پر قرآن اُتارا تا کہ تم لوگوں کو سمجھا دو جو ان کی طرف (دینِ حق) اُتارا گیا ہے اور اس لیے کہ وہ خود بھی (قرآن و سنت میں) غور وفکر کریں۔"

یعنی قرآن کے نازل کرنے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ اپنے قول و عمل سے اس کی توضیح وتشریح فرمائیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تبیین و توضیحات کو سامنے رکھے بغیر قرآن کے مجملات کو سمجھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ))

"خبردار! مجھے قرآن اور اس جیسی ایک اور چیز یعنی سنت دی گئی ہے۔"

پس قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے سُنّت سے بے نیازی اس آیت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

مندرجہ بالا آیت (النحل: ۴۴) میں رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی تبیین کا جو حکم ہوا تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کو کھول کھول کر بتلانا۔ یعنی اس میں جو اشارہ ہو اس کی توضیح کرنا، جو اجمال ہو اس کی تفصیل کرنا، جو ابہام ہو اسے دُور کرنا اور متعدد احتمالات ہوں تو صحیح معنی اور ٹھیک معنی کی تعیین کرنا...... تب جا کر قرآن وحکمت کی تعلیم والا ذمہ ادا ہو گا۔

ایک موٹی عقل کا آدمی بھی اتنی بات تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ: کسی ایسی کتاب کی شرح وتوضیح اور تعلیم محض اس کتاب کے پڑھ کر سُنا دینے سے نہیں ہوتی کہ جو قابل تبیین وتشریح ہو۔ بلکہ شرح کرنے والا اس کتاب کے الفاظ سے زائد کچھ ضرور کہتا ہے تب جا کر سننے والا کتاب کا

مطلب پوری طرح سمجھ پاتا ہے۔اور اگر کتاب کی کوئی بات کسی عملی مسئلہ سے متعلق ہو تو شارح کو عملی ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے۔بصورتِ دیگر کتاب کے الفاظ کا مدعا پوچھنے والے کو صرف اس کا متن سنا دینے سے ایک طفلِ مکتب کے نزدیک بھی شرح وتوضیح اور تبیین وتعلیم نہیں کہلاتا۔

مثلاً قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، حج، عمرہ کرو۔اب اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر لوگوں کو یہی پڑھ کر سناتے رہتے اور عملاً یہ نہ بتلاتے کہ یہ سب کام کیسے کرنے ہیں تو یہ تلاوت محض رائیگاں جاتی، بلکہ ایک قسم کا اضحوکہ بن کر رہ جاتی۔

جنابِ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور نبی ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیم وتزکیہ اور تشریح وتوضیح کو بھی قبول کیا جائے ورنہ آپ ؐ کی رسالت اور قرآن دونوں کا انکار لازم آتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ..... ﴾ تو یہاں الکتاب سے مراد قرآن اور الحکمۃ سے مراد "حدیث وسنت" ہے۔

جیسا کہ مفسرِ قرآن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھا ہے:

((وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ...... يَعنى الْقُرآنَ...... وَالْحِكْمَةَ...... يَعنى السُّنَّةَ...... قال الْحسنُ وقتادةُ ومقاتلُ بن حيانَ وَابُو مالكْ وغيرُهُمْ))

اللہ تعالیٰ کے فرمان ......اور وہ پیغمبر انہیں "کتاب وحکمت" کی تعلیم دے تو کتاب سے مراد "قرآن" ہے اور حکمت سے مراد "سنت" ہے۔جیسا کہ مفسرین کرام امام حسن بصری، حضرت قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک رحمہم اللہ اجمعین نے بیان کیا ہے"[1]

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَسَمِعْتُ مَنْ أَرْضَاهُ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْقُرآنِ يَقُوْلُ ؛ اَلْحِكْمَةُ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ......))[2]

"قرآن مجید کے جن اہل علم کو میں پسند کرتا ہوں، انہیں میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حکمۃ سے مراد "رسول اللہ ﷺ کی سنت" ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی:۷۵۲ھ) فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر ابن کثیر طبع دار المعرفہ، بیروت [2] دیکھئے: الرسالہ، اُصول الفقہ

((وَالْحِكْمَةُ هِيَ السُّنَّةُ بِاتِّفَاقِ السَّلَفِ))[دیکھئے: کتاب الروح]
''سلف صالحین کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ حکمت سے مراد ''سُنت'' ہے۔''

یہ ''سنت'' کہ جسے قرآن میں ''حکمت'' کہا گیا ہے، بھی منزل من اللہ تھی۔ اور جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾ ﴾ [النساء: ۱۱۳]

''(اے ہمارے نبی!) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب (قرآن مجید) اور حکمت (یعنی سنت، دونوں) کو نازل فرما دیا ہے۔ اور آپؐ کو اس نے وہ باتیں (حکمت و دانائی اور شریعت و قیادت کی) سکھائیں کہ جنہیں آپ ﷺ جانتے نہ تھے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے۔''

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو کئی طرح کے فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا، خیر القرون میں اُمت صالحہ دینِ حنیف کے دونوں مصادر حقہ قرآن و سنت کے ساتھ تمسک کے ذریعے بے دینی والے فتنے سے بہت زیادہ حد تک بچی رہی۔ مگر زمانہ جیسے جیسے صحابہ کرام و تابعین عظام کے دَور سے دُور ہوتا گیا شیطان نے لوگوں کے دلوں میں سنّت کی تشکیک کے بیج بونے شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ وہ دَور بھی آیا کہ ''سنت و حدیث'' کا کھلم کھلا انکار کیا جانے لگا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس بدکرداری میں اہل ثروت ہمیشہ پیش پیش رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے درج ذیل فرمان میں اس بات کی نشاندہی فرمائی تھی:

''خبردار! مجھے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ قرآن کا مثل (جو مصدرِ شریعت کے اعتبار سے اس کے برابر ہے) بھی دیا گیا ہے۔ خبردار! عنقریب ایک پیٹ بھرا انسان کہ جو اپنے پلنگ (تخت پوش یا صوفے) پر ٹیک لگائے ہوگا وہ (اپنے ساتھیوں سے) کہے گا: اس قرآن کو لازم پکڑ لو۔ اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو حرام ہے اسے حرام جانو۔'' (ابن ماجہ کے الفاظ ہیں کہ فرمایا: ((وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ......)) حالانکہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح حرمت ان چیزوں کی جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔''[1]

نبی مکرم و معظم محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ حق ثابت ہوئی۔ بنگلوں، کوٹھیوں میں بڑے ٹھاٹھ سے خوشحالی اور عیش و نشاط کی زندگی گزارنے والے آج حدیث

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ح: ٤٦٠٤

رسول ﷺ کی حجیت کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔

جب سے ملتِ اسلامیہ کے ان ممالک میں جہاں یہود و ہنود اور مشرکین و نصاریٰ کے کاسا لیسوں کی حکمرانیاں آئی ہیں ان اللہ کے مجرموں اور گستاخانِ رسول کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور وہ بے لگام بولتے، لکھتے چلے جارہے ہیں۔ کوئی انہیں پوچھنے والا ہی نہیں۔

البتہ اس گئے گزرے دور میں آج بھی اہل حق کو اللہ رب العزت نے توفیق بخش رکھی ہے کہ وہ ایسوں کے منہ "براھین صادقه اور بینات قاطعه" کے ذریعے توڑتے رہتے ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں "محصن زانی اور محصنہ زانیہ" کی سزائے رجم ایک معمول بہا حکم رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ و طاہرہ سے لے کر خلفائے راشدین و مہدیین والے ادوار اور ان کے بعد والے زمانوں تک اس حکم پر عمل رہا اور بلاشبہ یہ بالکل اسی طرح کا ہی ایک قانونِ شریعت ہے، جس طرح کے دیگر۔

زیرِ نظر کتاب "انکارِ رجم ایک فکری گمراہی" منکرین حدیث میں سے ایک کی مجرمانہ کاوش "حقیقتِ رجم" کا منہ توڑ جواب ہے۔ محترم ڈاکٹر ابو عدنان سہیل نے "ہندی محققین" میں سے ایک محقق کے دل و دماغ کا ایسا آپریشن کیا ہے کہ اپنے ماہرانہ طبی پیشے کے ساتھ ساتھ علمی ذمہ داری کا بھی حق ادا کر دیا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا

اللہ تعالیٰ مکتبہ قدوسیہ، لاہور والوں کو بھی خدمت دین کے صلہ میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ ہمیشہ ایسی نیک کاوشوں کو عامۃ الناس تک پہنچانے میں اپنا سرمایہ صرف کرتے رہتے ہیں۔

فجزاهم اللّٰهُ جميعاً عنّا وعن جميعِ المُسلمين خيراً

اخوكم في اللّٰهِ

ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد

لاہور۔ ۹ رستمبر ۲۰۰۴ء

تعارف

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۶ء میں ملکۂ کوہ سار نینی تال کی ترائی میں واقع ایک مردم خیز اور ایک سرسبز و شاداب قصبہ بہیڑی ضلع بریلی کے ایک دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام افتخار احمد ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے افسانے اور دیگر تخلیقات دہلی اور برصغیر ہندو پاک کے دیگر مؤقر علمی اور ادبی رسائل و اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

ڈاکٹر سہیل صاحب اب تک درجنوں بلکہ سینکڑوں افسانے، علمی مقالات اور دینی، ادبی و طبی مضامین لکھ چکے ہیں۔ نیز ڈاکٹری کے موضوع پر آپ نے کئی معیاری کتابیں لکھی ہیں اور چند دینی کتابیں بھی آپ نے لکھی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے اندازِ تحریر اور ژرف نگاہی کا اعتراف مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ جیسی عبقری اور معتمد ہستیوں نے بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو زمانۂ طفولیت ہی سے دینی حمیت اور غیرت اسلامی کا وافر حصہ ملا ہے۔ جب بھی انہوں نے اسلام یا عقائد اسلام پر کسی کو حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو اپنے بیدار ضمیری کا ثبوت دے کر مردانہ وار میدان میں کود پڑے اور باطل کے خلاف پوری قوت سے اقدام کیا۔ چنانچہ حال ہی میں عنایت اللہ سبحانی صاحب (بلریا گنج) نے اسلام کے اجماعی اور مسلم مسئلہ ''رجم'' پر شبخون مارا اور ''حقیقتِ رجم'' نامی کتاب تصنیف کر کے لوگوں کو شک و شبہات کے خس خانہ میں جھونک دینے کی کوشش کی۔ جس میں حقائق سے دانستہ چشم پوشی کر کے مسلّمات اسلامیہ کا بے دردی کے ساتھ انکار کیا۔ نیز

نصوصِ شرعیہ کی دُور از کار تاویلات اور بے جا توجیہات سے کام لیا۔

چنانچہ ڈاکٹر سہیل صاحب نے ان کی اس مغالطہ انگیز اور فتنہ پرور کتاب کا جواب ''انکارِ رجم ایک فکری گمراہی'' کے نام سے تحریر فرما کر احقاقِ حق کا فریضہ انجام دیا اور حقیقت مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر اس کتاب کو اپنے بہت سارے بندوں کے لیے حقیقتِ حال سے صحیح آشنائی کا ذریعہ بنائے۔

آمین

(حضرت مولانا مفتی) محمد راشد صاحب اعظمی

استاذ فقہ و تفسیر دارالعلوم دیو بند

تاثرات

مؤرخِ اسلام جناب قاضی اطہر صاحب مُبارکپوری

اسلامی قانون میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے۔ جس پر سلف سے خلف تک (ساری) امت کا اجماع ہے۔ البتہ خوارج اور معتزلہ رجم کے قائل نہیں ہیں۔ جن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ آگے چل کر کچھ لوگ کہیں گے: ہم کتاب میں رجم نہیں پاتے ہیں، اس طرح وہ گمراہ ہوں گے۔ ایک ایسے فریضہ کو ترک کر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ حالانکہ کتاب اللہ میں رجم حق ہے۔ اس دور میں انکارِ رجم کا فتنہ حمید الدین فراہی کے تفسیری تفردات میں سے ایک متفرد رائے پر اٹھایا گیا۔ حالانکہ جس طرح بہت سے ائمہ کے تفردات کو اُن کی ذاتی رائے قرار دے کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح انکارِ رجم کی تحقیق و رائے کو مولانا فراہی کی ذاتی تحقیق سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی جاتی تو اچھا ہوتا، مگر ان کے تلامذہ اور متاثرین کے ایک حلقہ نے اس کو اسلام کے قوانین میں ایک نئی دریافت کی حیثیت سے اس کے ثبوت میں مضامین و مقالات لکھے اور لکھنے کا انداز جارحانہ اختیار کیا۔ خاص طور سے مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے حلقہ نے نہایت غیر سنجیدہ مضامین لکھے۔ اس صورتِ حال کا یہ فائدہ ہوا کہ ان کے جواب میں اہل علم و تحقیق نے بھی مضامین اور کتابیں رجم کے ثبوت اور اجماع پر لکھیں، اور اس سلسلہ میں ہندو پاک میں اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

منکرین رجم کی طرف سے جو مضامین یا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں مولانا عنایت اللہ سبحانی کی کتاب ''اور حقیقتِ رجم قرآن و سنت کی روشنی میں'' نمایاں ہے۔ موصوف نے اس میں بڑی عرق ریزی سے کام لے کر اپنے خیال کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی

ہے۔ وہ اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہیں؟ اس کے لیے کتاب کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ ضروری ہے۔ جناب ڈاکٹر سہیل صاحب نے ''انکارِ رجم ایک فکری گمراہی'' کے عنوان سے موصوف کی کتاب اور ان کے دلائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ میں نے اس کے مسودے کے ابتدائی اجزاء کا مطالعہ کیا ہے۔ موصوف نے بڑی سنجیدگی سے سبحانی صاحب کی کتاب کا جائزہ لیا ہے اور علمی و تحقیقی انداز میں کلام کیا ہے۔ ڈاکٹر سہیل صاحب کی اس کتاب سے سبحانی صاحب کے دلائل کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ دینی علوم میں ان منکرین رجم کو کتنا رسوخ ہے؟ اور یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کے علی الرغم یہ لوگ ان کے بارے میں کس قدر گستاخ انداز بیان اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں ان کا کیا موقف ہے۔

ڈاکٹر سہیل صاحب نے اپنی اس کتاب میں بڑے محققانہ اور عالمانہ انداز میں کلام کیا ہے؟ وہ طب و حکمت جیسے خشک پیشہ سے متعلق رہ کر دردمندانہ انداز میں اسلامی و دینی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی دو کتابیں (۱) ''اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات'' اور (۲) ''اذکارِ تصوّف اور تزکیۂ نفس ایک تجزیاتی مطالعہ'' زیرِ طبع ہیں۔ اور یہ تیسری کتاب ''انکاررجم ایک فکری گمراہی'' زیرترتیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کتابوں کے ذریعہ ان کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے۔

قاضی اطہر مبارکپوری
۲۴/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
۲۵/اپریل ۱۹۹۵ء

تقریظ

محدث جلیل مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ العالی

خلف الرشید، رأسُ الفقهاء خاتم المحدثین علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ

علماء اور صوفیہ اسلام کے وہ دو طبقے ہیں، جن کی دانش وبینش، علم وفراست پر اعتماد کیا گیا۔ ایک محقق کو دورانِ تحقیق وسعتِ مطالعہ و وسعتِ نظر کچھ ایسی آراء کی جانب بھی لے جاتی ہے جسے ''تفرد'' کہتے ہیں۔ صوفیہ کے یہاں بھی کیفیت ومستی میں ڈوبے ہوئے بعض کلمات ''شطحیات'' کے نام سے معروف ہیں۔ شطحیات ہوں یا تفردات، شریعت کی کسوٹی اور مسلمہ فقہاء وعلماء کی جچی تلی آراء پر پرکھے جائیں گے۔ غیر متصادم ہوں تو قبول، منصوصات سے متصادم ہوں تو نظر انداز۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ جبلِ علم ہیں۔ حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ، شارح ہدایہ، فقہ حنفی کی ترجمانی میں شاہسوار ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تجدید کی شرائط پوری کرتے ہیں۔ جنید، بایزید، منصور اور سری سقطی دبستانِ تصوف کے گوہر آمدار ہیں۔ لیکن مذکورۃ الصدر دانشوروں کے تفردات رد کردیئے گئے اور موخر الذکر ہستیوں کے شطحیات کو ناقابلِ قبول ٹھہرایا گیا۔ امت کا یہی معمول رہا اور اسی میں خیر ہے۔

اگر مولانا حمید الدین فراہی نے کچھ تفردات کیے تو ان تفردات کے ساتھ بھی معاملہ ہونا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ مرحوم کے تلامذہ نے ان تفردات کی پرزور وکالت شروع کردی۔ اس دھینگا مشتی میں بے سروپا باتیں بھی قلم سے نکلیں اور کہیں کہیں ''ترجیع القول بما لا یرضیٰ به قائلهٗ'' [1] کا منظر بھی سامنے آیا۔

---

[1] ترجمہ:...... کسی ایسی بات کو حلق میں یوں گھما پھرا کر زبان پر لانا کہ جس کا کہنے والا بھی اس پر راضی نہ ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار صرف زبانی نہیں بلکہ ان کے فکر ونظر کا انکار عملی انکار ہے۔
امیر المؤمنین فی الحدیث وابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذِ خصوصی عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جس بدنصیب کو صحابہ کے بارے میں قیل وقال کرتے ہوئے پاؤ، سمجھ لینا کہ وہ زندیق ہے۔''

پھر کیا خیال ہے اگر ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے فکر ونظر سے کوئی غیر معقول اختلاف کی راہ پر چلے؟ حالانکہ دونوں کی اقتداء کا صراحۃً حکم ہے۔ ان میں ایک صدّیق اور دوسرے محدّث ہیں۔ سوچنے کی بات تھی کہ جرم کی شدت وخفت پر سزا ہلکی وسخت دی جاتی ہے۔ مرض اگر مکھی برابر ہو تو ڈاکٹر کا اس پر ریوالور سے حملہ، یعنی تیز ادویہ کا استعمال، کینسر ایسی جانکسل بیماری ہو اور ہلکی پھلکی دوائی کا اہتمام، فن سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ اب سوچیے! ایک غیر شادی شدہ مرتکب زنا ہے۔ دوسرا عقداز دواج میں منسلک ہونے کے باوجود زنا ایسے شنیع فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ کیا دونوں ایک وزن کے جرم ہیں؟ فقہاء جہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ مجرم خبیث فطرت میں مبتلا ہو گیا اور کوئی معالجہ اب کار آمد نہ ہوگا، معاشرے کو اس کے وجود سے پاک کرنے کے لیے اس کا قصہ ہی نمٹاتے ہیں۔ اور جہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ فطرت بیمار نہیں ہوئی بلکہ کسی ایسے تقاضے کے نتیجہ میں ارتکاب جرم ہوا جسے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی تو سزا میں تخفیف کرتے ہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر محصن وغیر محصن کی سزا میں تفریق فقہاء کے پیش نظر رہی۔ اگر آپ نے دونوں مجرموں کی سزا ایک کردی تو کیا یہ کوئی انصاف کی بات ہوگی؟ یہ تو سانپ کو دودھ پلا کر پالنے کے ہم معنی ہوگا۔ رہا حضرت علامہ کشمیری کی مشکلات القرآن یا فیض الباری سے کچھ اقتباسات پیش کرکے یہ تاثر دینا کہ وہ بھی رجم کے منکر ہیں، بڑا جرم ہے اور کھلی علمی خیانت۔

حدود وسزا کے نفاذ میں خود حضور اکرم ﷺ نے سزا کو ختم کرنے کا فی الجملہ مطالبہ فرمایا جیسا کہ ((ادرؤا الحدود بما استطعتم)) سے واضح ہے۔ لیکن جب جرم ثابت ہو گیا اپنی تمام شرائط وقیود کے ساتھ تو آپ ﷺ کا وہ انتباہ بھی سامنے رہنا

چاہیے کہ اگر حد قائم نہ کی گئی تو یہ ہوگا، وہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے نفاذِ حد میں تخفیف تو درکنار سفارشِ اسامہ بھی قبول نہیں کی اور اسی وقت منبر سے ایک پرزور خطاب کے ذریعہ آخر میں یہ پھڑکتے ہوئے کلمات بھی ارشاد فرمائے:

((لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

عجیب بات ہے کہ بطلان کی اشاعت جب ہوتی ہے، احقاقِ حق کرنے والے بھی کھڑے کردیئے جاتے ہیں۔ فرعونیت جب پائے کوبی کرتی ہے تو عصائے موسیٰ سرکوبی کے لیے نمودار ہوتا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے اس بات کی کہ ایک طبیب اور طبی ادارہ میں معلم خالص علمی، فقہی اور شرعی مسئلہ پر قلم اٹھا رہا ہے۔ صرف خامہ فرسائی نہیں بلکہ تحقیق انیق، اطراف وزوایا پر مبصرانہ نظر، تطبیق وتوجیہہ میں ژرف نگاہی، اُردو نہ صرف شگفتہ وشستہ بلکہ قلعہ کی اُردوئے معلیٰ۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر سہیل کو............وہ کام کیا جو کسی دار العلوم کے محدّث، یا کسی مدرسۃ العلم کے مفسر یا دارالافتاء کے کسی مفتی کو انجام دینا چاہیے تھا۔

اس موقع پر بے اختیار قرآن حکیم کی وہ پیشن گوئی یاد آ گئی کہ اگر تم قیام دین اور دفاع عن الدین کے لیے کھڑے نہیں ہوگے تو خدا تعالیٰ پھر ایسی ایک قوم سے یہ کام لے گا، جو ہر طرح تم سے بہتر ہوگی۔ سہیل صاحب کی یہ خدمت ان کے صف نشینوں کے لیے باعثِ نازش، طبقۂ علماء (جو تعطل کا وقت گزار رہا ہے) کے لیے محرک ماتم وبکاء ہے۔ نگارش کے جستہ جستہ مطالعہ کے بعد جو تأثر اُبھر آیا، اسے بلاکم وکاست نوک قلم سے کاغذ پر احقر نے جمایا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ ۔

وَاَنَا لَاحُقَرُ الْاَفْقَرُ

محمد انظر شاہ الکشمیری المسعودی

۲۷/اپریل ۱۹۹۵ء

مقدمہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی

استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دار العلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ، اَمَّا بَعْدُ :

اسلامی احکام و مسائل کا ثبوت قرآن مبین سے ہوتا ہے یا رسولِ خدا ﷺ کی سُنّتِ ثابتہ سے یا امّت وسط وعدل کے اجماع سے۔ یا کسی مسئلہ سے متعلق صالحین کے استنباطات وقیاسات کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ شرعی مسائل و معاملات کے بارے میں امت کے سوادِ اعظم کا یہی رویہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے معلوم و متعارف چلا آ رہا ہے، جس سے اعراض وانحراف بلاشبہ گمراہی کی راہ ہے۔ جس پر کتاب وسنت میں نہایت شدید وعیدیں آتی ہیں۔

اس لیے اسلامی احکام میں وہی بحث و تحقیق معتبر اور قابلِ اعتماد ہوگی، جو ان مصادر اربعہ سے ماخوذ و مؤید ہو۔ زانی محصن کی ''سزائے رجم'' بھی ایک خالص اسلامی قانون ہے، جس پر غور وفکر، بحث و تحقیق قرآن وسنت، اجماع اُمت اور قیاسِ مجتہدین ہی کی روشنی کی جائے گی۔ اور ان مصادر شرعیہ سے ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہی ایک سچے پکے مسلمان کی شان ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہدِ خیر وصداقت سے لے کر (بجز چند راہِ صواب سے بھٹکے ہوئے فرقوں کے) پوری امت مسلمہ شادی شدہ زانی کے رجم پر متفق و متحد ہے۔ مشہور مفسر علامہ سید محمود آلوسی اپنی محققانہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

((وَقَدْ اَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعالىٰ عَنْهُمْ وَمَنْ تَقَدَّمَ مِنَ السَّلَفِ وَعُلَمَاءِ الْاُمَّةِ وَآئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى اَنَّ الْمُحْصِنَ يُرْجَمُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى يَمُوْتَ، وَاِنْكَارُ الْخَوَارِجِ ذَالِكَ بَاطِلٌ لِاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْا حُجَّةَ اِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعالىٰ عَنْهُمْ فَجَهْلٌ مُرَكَّبٌ۔ وَاِنْ اَنْكَرُوْا وُقُوعَه مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِاِنْكَارِ حُجِّيَّةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ فَهُوَبَعْدُ بُطْلانه بِالدَّلِيْلِ ، لَيْسَ مِمَّا نَحْنُ فِيْهِ لِاَنَّ ثُبُوتَ الرَّجْمِ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ مُتَوَاتِرُ الْمَعْنىٰ كَشُجَاعَةِ عَلِيّ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعالىٰ وَجْهَه، ، وَجُوْدِ حَاتِمٍ ، وَالْاٰحَادُ فِيْ تَفْصِيْلِ صُوَرِه وَخُصُوصِيَّاتِه ، وَهُمْ كَسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ يُوْجِبُوْنَ الْعَمَلَ بِالْمُتَوَاتِرِ مَعْنًى كَالْمُتَوَاتِرِ لَفْظًا۔ اِنَّ اِنْحِرَافَهُمْ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَتَرْكَ التَّرَدُّدِ اِلىٰ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالرُّوَاةِ اَرْفَعَهُمْ فِيْ جِهَالَاتٍ كَثِيْرَةٍ لِخِفَاءِ السَّمْعِ عَنْهُمْ وَالشُّهْرَةِ))[1]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہم سے پیشرو سلف صالحین، علماءِ اُمت اور آئمہ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ خوارج کا اس مسئلہ میں انکار یکسر باطل ہے۔ کیونکہ اگر وہ اِجماعِ صحابہ کی حجیت کے منکر ہیں تو یہ جہل مرکب ہے۔ اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ سے رجم کے ثبوت کو بایں وجہ انکار کرتے ہیں کہ یہ ثبوت خبر واحد سے ہے، تو ان کا یہ موقف ہی باطل ہے۔ علاوہ ازیں مسئلہ زیر بحث کا تعلق خبر واحد سے نہیں ہے، کیونکہ رجم کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے معنیً متواتر ہے۔ جس طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کا ثبوت تواتر معنوی سے ہے۔ اگرچہ ہر واقعہ کی صورتیں اور تفصیلات متواتر نہیں ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی طرح

[1] روح المعانی ص : ۷۸، ۷۹، ج : ۲

خارجی بھی متواتر معنوی پر عمل اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح متواتر لفظی واجب العمل ہے۔ مگر صحابہ اور عام مسلمانوں سے خارجیوں کے الگ تھلگ رہنے اور علماء مسلمین و حدیث کے راویوں کے پاس آمد و رفت نہ رکھنے کی بناء پر وہ بہت سی جہالتوں میں جا گرے تھے، کیونکہ حدیث اور دینی باتوں سے ان کے کان نا آشنا اور مشہور احادیث و مسائل کی شہرت ان پر مخفی رہی۔"

علامہ آلوسی کے علاوہ محقق ابن ہمام حنفی، مشہور فقیہ و شارحِ حدیث شیخ محی الدین نووی شافعی، امام موفق ابن قدامہ مقدسی حنبلی، حافظ ابو الولید ابن رشد مالکی، امام ابن حزم ظاہری وغیرھم محققین علماء کبار نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں مسئلہ زیر نظر کے متعلق اجماع امت کا ذکر کیا ہے۔[1]

اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ زانی محصن کے رجم پر نہ صرف اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا اتفاق اجماع ہے بلکہ اس مسئلہ میں تورات کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اور تورات کے وہ فیصلے جن کا انجیل میں صریح الفاظ سے رد نہ کر دیا گیا ہو، وہ نصاریٰ کے ہاں بھی حجت ہوتے ہیں اور انجیل میں اس طرح کی ممانعت ثابت نہیں۔ اس لیے تورات کا یہ فیصلہ یہود و نصاریٰ دونوں فرقوں کے نزدیک مقبول و معمول ہے۔

اور خود قرآن کریم نے تورات کو "حکم اللہ" قرار دے کر اس کی صداقت و حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے (اگرچہ یہود و نصاریٰ اسے نہ بھی مانتے ہوں) چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ ٱلتَّوْرَىٰةُ فِيهَا حُكْمُ ٱللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَآ أُو۟لَـٰٓئِكَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾﴾ [المائدہ: ۴۳]

"اور وہ آپ کو کیسے منصف بنا سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے، جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ (اور اسے یہودی خوب جانتے ہیں) مگر اس (حکم رجم) سے وہ پھر رہے ہیں۔ اور (اصل بات یہ ہے کہ) ان میں ایمان ہی نہیں ہے۔"

---

[1] فتح القدیر شرح هدایه ص: ۱۲، ج: ۵۔ شرح مسلم النووی ص: ۶۵، ج: ۲۔ المغنی ص: ۱۷۵، ج: ۷۔ هدایة المجتهد ص: ۱۲۶، ج: ۲۔ المحلّٰی ض: ۲۴۱، ج: ۱۱

اور اہل علم جانتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے مقدمۂ زنا سے متعلق ہے۔ موجودہ بائبل میں بھی اس کی تحریف کے باوجود رجم کا حکم موجود ہے۔ کتاب استثناء میں ہے:

((وَإذَا كَانَتْ فَتَاةٌ عَذْرَاءُ مَخْطُوبَةٌ لِرَجُلٍ فَوَجَدَهَا رَجُلٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاضْطَجَعَ مَعَهَا فَأخْرِجُوهُمَا كِلَيْهِمَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَارْجُمُوهُمَا بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى يَمُوتَا ، اَلْفَتَاةُ مِنْ اَجْلِ اَنَّهَا لَمْ تَصْرَخْ فِي الْمَدِيْنَةِ وَالرَّجُلُ مِنْ اَجْلِ اَنَّه' اَذَلَّ امْرَأةَ صَاحِبِه فَيَنْتَزِعُ اللّٰهُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ))[1]

[1] نظرة الى العقوبة فى الاسلام از فضيلة الاستاذ الشيخ ابو زهره ، ملاحظہ ہو: كتاب المؤتمر الرابع للمجمع البحوث الاسلاميه رجب ۱۳۸۸ھ ، ص: ۱۸۷

نوٹ ...... کتاب ھذا (انکارِ رجم ...... ایک فکری گمراہی) کے دقیق نظر سے مطالعہ کے نتیجہ میں واضح ہوتا ہے کہ پروف کی غلطیاں بہت رہ گئی ہیں۔ یہاں عربی میں ترجمہ شدہ تورات کے جس حصہ کو نقل کیا گیا ہے اس کے انگریزی اور اُردو عبارتوں سے موازنہ کے ساتھ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ انگریزی میں ہے:

When a man is surprised abed with a married woman,they shall both die, the man who lay with the woman and the woman too, you shall wipe out the evil from israel.
when a man comes upon a girl in the city, who is a virgin betrothed to another, and he lies with her, you shall bring them both to the gate of the city and stone them to death, the girl because she did not cry out, although the city was all about her, and the man because he violated his neighbou's wife, you shall purge such evil from among you.
[Holy Bible, Chapter,22 the book of Deuteronomy, p=160 placed by the Gideons]

اور اُردو میں یوں:

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔ اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اُس سے صحبت کرے تو تم اُن دونوں کو اُس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور اُن کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اُس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حُرمت کیا۔ یوں تو ایسی بُرائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔''

[پرانا و نیا عہد نامہ مطبوعہ بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور۔ کتاب استثناء، باب:۲۲] ...... ابو یحییٰ

''اگر کنواری لڑکی کسی کے رشتہ نکاح میں منسوب ہو اور کوئی دوسرا شخص اسے شہر میں پا کر اس کے ساتھ صحبت کرے، تو ان دونوں کو شہر سے باہر نکالو اور ان میں سنگسار کرو، یہاں تک کہ دونوں مر جائیں۔ لڑکی اس لیے کہ اس نے شہر میں ہوتے ہوئے شور نہیں مچایا اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ساتھی کی بیوی کی چادر عصمت چاک کی۔ پس شر و برائی کو اس طرح شہر سے دور کیا جائے۔''

چونکہ یہ مسئلہ خود نبی کریم ﷺ کی احادیث سے بطور تواتر معنوی کے ثابت ہے، اس لیے اس باب میں اختلاف کی گنجائش ہی کیا تھی؟ اس لیے عہد صحابہ سے امت اس پر متفق و متحد چلی آ رہی ہے۔ شیخین رضوان اللہ علیہما کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی، خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر مزید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی رجم کا قول و عمل صحیح روایات سے ثابت ہے۔ (۱) جس سے پتہ چلتا ہے کہ رجم پر عمل آنحضرت ﷺ کے بعد حضرات صحابہ تبع تابعین میں جاری و ساری تھا۔ "وکفی بھم قدوۃ" حضرات صحابہ والہ سلف سے اجماع و تورات کے ثبوت کے بعد ایک مخلص مومن کے لیے مزید کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں رہتی، پھر بھی مزید وضاحت اور تکمیل بحث کی غرض سے ان احادیث معروفہ کی نشاندہی کی جاتی ہے جو کتب حدیث میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں۔ چونکہ یہ مختصر تحریر ان احادیث کے حرف بہ حرف نقل کی متحمل نہیں ہے اس لیے اس موقع پر صرف ان کتابوں کے حوالے ذکر کیے جا رہے ہیں۔ جس میں یہ احادیث نقل کی گئی ہیں۔

اسماءِ صحابہ جنہوں نے زانی محصن کو رجم کرنے کا حکم یا عمل کیا ہے

۱۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی مرتضیٰ، عبداللہ بن ابی اوفی، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، زید بن خالد رضی اللہ عنہم، ان مذکورہ حضرات صحابہ کی احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

۲۔ عبادہ بن صامت، سلمہ بن المحبق، ابو برزہ، ہزال، جابر بن سمرہ، لجلاج، حضرت ابو بکر صدیق، بریدہ، ابوذر غفاری، نصر بن دہر اسلمی، عمران بن الحصین، ابو بکرہ، ابوسعید الخدری، نعمان بن بشیر، براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے روایات مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں منقول ہیں۔

۳۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی تخریج امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں کی ہے۔

۴۔ قبیصہ بن حریث، انس بن مالک، عجماء، سہیل بن سعد، عبداللہ بن الحارث بن الجزء رضی اللہ عنہم کی روایات علامہ ہیثمی کی مجمع الزوائد میں منقول ہیں۔

۵۔ وائل بن حجر سے روایت جمع الفوائد میں ہے۔

۶۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث مشکوٰۃ المصابیح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ چھ کتب حدیث سے پینتیس حضرات صحابہ سے مروی روایات کا اجمالی ذکر ہے۔ مزید تلاش وجستجو سے دیگر اور صحابہ کی احادیث مل سکتی ہیں۔ کیا ان احادیث کثیرہ کے باوجود بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ رجم سے متعلق احادیث خبر آحاد ہیں۔ اس لیے ان کے ذریعہ کتاب اللہ کے حکم:

﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِى فَٱجْلِدُوا۟ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِا۟ئَةَ جَلْدَةٍ ﴾

''زانیہ اور زانی ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔''

پر زیادتی از روے اصول وقواعد درست نہیں ہے۔

کیونکہ یہ احادیث تعدد طرق وکثرت اسناد کی بناء پر تواتر معنوی کی حد میں داخل

ہیں اور تواتر معنوی سے کتاب اللہ پر زیادتی فقہائے اعصار کے نزدیک متفقہ طور پر صحیح و درست ہے۔

افسوس کہ اپنی مصروفیات اور خود جس مقصد کے لیے یہ تحریر قلم بند کی جارہی ہے، اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی جائے، ورنہ بتایا جاتا ہے کہ مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اپنی تازہ تصنیف اور حقیقت رجم میں علمی دیانت وامانت کا کس طرح گلا گھونٹا ہے اور اپنی کھلی تحریفات وتلبیسات کے ذریعہ ایک ایسے شرعی حکم سے جو تواتر معنوی اور اجماع وتوارث سلف وخلف سے ثابت شدہ ہے کا انکار کر کے صحابہ کرام، سلفِ صالحین، ائمہ مجتہدین، کبار محدثین کی جماعت سے الگ خوارج ومعتزلہ کی راہ اختیار کی ہے۔ جسے گمراہی نہ سمجھنا بجائے خود ایک گمراہی ہے۔ جس کتاب کے مقدمہ کے اوپر یہ تحریر سپرد قلم کی جارہی ہے، اس میں رجم کے ثبوت اور عنایت اللہ سبحانی صاحب کے پیش کردہ دلائل پر خاصی تفصیل موجود ہے۔ اس لیے بھی اس مقدمہ میں مزید بحث تکرار مخل ہوگی۔

سبحانی صاحب کے بے باک وگستاخ قلم نے صحابی رسول کے تقدس وعظمت کا جس طرح عامیانہ مذاق اڑایا ہے، اسے پڑھ کر تو ایک مومن صادق کا دل لرز اٹھتا ہے۔ جس کی مثال یہود ونصاریٰ کے ہاں بھی حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کے بارے میں شاید تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گی۔ ''العیاذ باللہ''

میں نے مسودہ کو جستہ جستہ مختلف مقامات سے دیکھا۔ ماشاء اللہ ابو عدنان سہیل نے اپنے اس شاہکار کو تراشنے میں کمال مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کتاب میں پیش کیے گئے دلائل وبراہین کی نورانیت نے خود کتاب کو اس قدر تابناک بنادیا ہے کہ پڑھنے سے قاری کے دل ودماغ منور ہوجاتے ہیں اور سبحانی صاحب کی پھیلائی ہوئی ظلمت کافور ہوجاتی ہے۔

کتاب کا مسودہ جوں جوں پڑھتا گیا صل علیٰ مرحبا کا کلمہ بے ساختہ زبان سے نکلتا رہا اور اکثر آذر صاحب کے اس مسودہ کو دیکھ کر پورا اطمینان ہوگیا کہ سبحانی صاحب

اپنی تالیف میں جس قدر علم و دیانت اور شرافت سنجیدگی کے پرزے اڑاتے ہیں علم و دیانت اور شرافت و سنجیدہ کا اس سے کہیں زیادہ پاس ولحاظ رکھا ہے اور بغیر کسی تردد کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر سہیل صاحب کی یہ تصنیف ایک عمدہ، سنجیدہ اور علمی و تحقیقی کتاب ہے اور علمی و دینی حلقوں میں انشاء اللہ وقعت و قبولیت کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّي وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ جَزَاءً حَسَنًا

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَه' وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَه' وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِه وَاَصْحَابِه اَجْمَعِيْنَ))

حبیب الرحمٰن قاسمی

خادم التدریس دار العلوم دیو بند

۲ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

مُقدّمہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند

انکارِ رجم اور تحقیقِ رجم ایک پرانی بحث ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے رجم کا انکار خوارج نے کیا۔ خوارج وہ فرقہ تھا جو واقعۂ تحکیم کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے ناراض ہوگیا اور دونوں کے خلاف برسرپیکار ہوگیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے لوہا لیا تھا۔ یہ فرقہ قرآن کریم کی حجیت کا تو قائل تھا، مگر سنت نبوی اور عمل صحابہ کو بس برائے نام ہی حجت مانتا تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے برابر محصن [۱] زناکار مرد و زن کو سنگسار کیا جاتا رہا ہے، مگر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آیا اور آپ نے رجم کیا تو خارجی ذہنیت رکھنے والے قوموں نے سوال اٹھایا کہ: ''قرآن میں رجم کا حکم نہیں ہے۔'' حضرت عمر رحمہ اللہ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ نماز کی رکعتوں کی تعداد کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ اور زکوٰۃ کی مقدار کا بیان قرآن کریم میں کہاں ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ باتیں سنتِ نبوی اور تعامل مسلمین سے ثابت ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رجم بھی سنتِ نبوی اور تعامل مسلمین سے ثابت ہے۔ تو وہ ہکے بکے رہ گئے۔

اس فتنہ کی پیشن گوئی اس کے ظہور سے بہت پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما چکے تھے۔ ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

((اَخْشٰی اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ اَنْ يَّقُوْلَ قَائِلٌ : وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ اٰيَةَ

---

[۱] مرد کو محصِن (صاد کے زیر کے ساتھ باب افعال سے اسم فاعل) اور عورت کو مُحصَنَہ (صاد کے زبر کے ساتھ اسم مفعول) کہتے ہیں۔ جن میں چھ باتیں پائی جائیں، وہ محصِن و محصنہ کہلاتے ہیں۔ یعنی مسلمان، آزاد، عاقل اور بالغ ہوں اور نکاح صحیح کر کے مباح ہم بستری کر چکے ہوں۔ ۱۲ منہ

الرَّجْمِ فِيْ كِتَابَ اللّٰهِ ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ))[1]

"مجھے اندیشہ ہے کہیں آگے چل کر کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم قرآن میں رجم کا حکم نہیں پاتے ، پس وہ ایک ایسے شرعی حکم کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوجائے، جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔" (پھر معتزلہ اس کو لے اڑے۔)

چنانچہ ایسا ہی ہوا، پہلی صدی ختم ہونے سے پہلے خوارج نے یہ شوشہ چھوڑ دیا، پھر معتزلہ اس کو لے اڑے اور آج تک برابر یہ بحث چل رہی ہے اور کسی بھی دلیل سے مریض ذہنیت مطمئن نہیں ہوئی۔ مسئلہ پر بحث کا یہاں موقعہ نہیں۔ اکابر علماء نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ میرے علم کی حد تک اُردو میں اس موضوع پر سب سے جامع اور تحقیقی کتاب حضرت مولانا ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (پاکستان) کی کتاب "تحقیقِ رجم" ہے۔ شائقین اس کا مطالعہ کریں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب جو جناب ڈاکٹر سہیل صاحب کی ایک وقیع تصنیف ہے، قارئین کو مسئلہ سمجھنے میں ان شاء اللہ مدد دے گی۔ اس میں منکرین رجم کے دلائل کا تعاقب ہے۔ اندازِ بیان سلجھا ہوا، سنجیدہ اور سلیس ہے اور سبحانی صاحب کے دلائل کی خوبی قلعی کھولی ہے۔ میں نے مختلف جگہ سے اس کا مسودہ پڑھا ہے اور میں فضل خداوندی سے امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب قارئین کرام کو بہت پسند آئے گی اور امت کو اس سے فیض پہنچے گا۔

والسلام

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیوبند

۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

---

[1] بخاری شریف کتاب الحدود ، باب رجم الحبلی (فتح ، ج ۱۲ / ص : ۱۴۴)

پیش لفظ

عرصہ دراز سے معاندین اسلام، خصوصاً مستشرقینِ یورپ کی یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کو کمزور کیا جائے۔ نام نہاد علمی تحقیق اور فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ اسلام کے مسلّمات کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں اور خود مسلمانوں میں ایک ایسا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پیدا کیا جائے، جو ان کے افکار وخیالات کی نہ صرف ترجمانی کرتا ہو بلکہ اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی ان کی مبینہ ''علمی کاوشوں'' میں ان کا ممد ومعاون ہو...... حقیقت یہ ہے کہ ان مستشرقین نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی نفسیات کا جس قدر گہرائی سے مطالعہ کیا ہے ہم نے اس تناسب سے ان کی ذہنیت کو نہیں پرکھا۔ اس کے برخلاف ہم مغربی اقوام اور ان کے افکار وخیالات سے ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے ان کے خیالات سے دانستہ یا نادانستہ طور پر متاثر ومرعوب ہوتے رہے ہیں۔ انجام کار ہم مسلمانوں میں آئے دن کوئی نہ کوئی ''ذی علم'' شخصیت اسلاف کی اسلامی خدمات کی بے لوث کوششوں کے علی الرغم............ علم و تحقیق کے نام پر، اسلام کے اجماعی مسائل پر حرف زنی اور شکوک وشبہات کا اعلان کرتی نظر آتی ہے۔

ریسرچ اور ''علمی تحقیق'' کے نام پر مستشرقین یورپ نے ہمیشہ اسلام کے سرچشمۂ قوت اور اس کی مبادیات کو اپنا ہدف بنایا ہے۔ ان میں سرفہرست قرآن وسنت اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے...... قرآن وسنت کے بعد چونکہ ''اجماعِ امت'' بھی دین کے بنیادی ستونوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے لازمی طور پر اس پر بھی تحقیق وتفتیش کا تیشہ چلانا اور عوام الناس کو تشکیک وتردد میں مبتلا کرنا ان کا اور ان کے متبعین یعنی جدید دور کے نام نہاد ''محققینِ اسلام'' کا لازمی ہدف ٹھہرا......!

سزائے رجم بھی شریعت کا ایک اجماعی مسئلہ ہے، جس پر آج کل برصغیر ہند و پاک کے ''فراہی فکر'' سے متاثر حضرات کی طرف سے بے ضرورت اور بلا وجہ تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی حال ہی میں منظر عام پر آنے والی کتاب ''حقیقتِ رجم'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے سابق امیر جماعت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی مرحوم کے خانوادے سے متعلق ہونے اور خود بھی عرصہ دراز سے جماعت اسلامی سے قریبی تعلق رکھنے کے باوجود موصوف نے سزائے رجم جیسے اجماعی مسئلہ پر قلم اٹھانے سے پہلے شاید یہ جاننے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ اس مسئلہ پر مولانا مودودی جیسی ''صاحب الرائے'' شخصیت کے اس ضمن میں کیا خیالات ہیں؟ حالانکہ مولانا مودودی جو اکثر دینی مسائل میں اپنے تفرد اور بے باک تنقیدی خیالات کے سلسلے میں ہدف ملامت بننے کی پرواہ نہیں کرتے اور اپنی دانشت میں کسی بھی علمی اور ذہنی مسئلہ پر پوری طرح تحقیق و جستجو اور مطالعہ و معلومات فراہم کرنے کے بعد ہی اظہار خیال کے عادی ہیں.......... یہ الگ بات ہے کہ ان کے معاصرین اور معاندین ان کے افکار و خیالات سے اتفاق نہ رکھتے ہوں.......... اپنے تمام تر ذہنی تفرد اور آزادانہ اندازِ فکر کے باوجود، سزائے رجم کے سلسلے میں مولانا مودودی نے مشاہیرِ امت کی اجماعی روش سے سرمو بھی ہٹنے کی جرأت نہیں کی ہے۔[1]

سزائے رجم کے سلسلے میں دیگر اسلافِ اُمت کی طرح مولانا مودودی کا بھی یہی موقف ہے کہ شریعت نے ''غیر محصن'' یعنی کنوارے اور ''محصن'' یعنی شادہ شدہ زانی کے اقدام زنا کے سلسلے میں، اول الذکر کو محض کوڑوں کی سزا اور ثانی الذکر کو رجم یعنی سنگسار کرنے کی سزا میں اس لیے تفریق کی ہے کہ شادی شدہ افراد کو اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے شرعی اور قانونی طور پر اپنے زوج کی صورت میں ایک جائز ذریعہ میسر

---

[1] ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن ج : ۳ / ص: ۳۲۷ ، تفسیر سورہ نور اور جلد اول صفحہ نمبر: ۳۴۲ تفسیر سورۃ النساء حاشیہ نمبر : ٤٦

ہونے کے باوجود ان کا زنا کا مرتکب ہونا نہ صرف یہ کہ ان کی خباثتِ نفس کی دلیل ہے بلکہ ایسے افراد اسلامی معاشرہ کی پاکیزہ فضا اور ماحول کو مسموم اور پراگندہ کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے افراد سے اسلامی معاشرہ کو پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی یک لخت گردن مار کر ہلاک کرنے کے بجائے معاشرہ میں اسی قسم کے رجحانات رکھنے والے دیگر افراد کی عبرت و نصیحت کے لیے ان کو برسرِ عام رجم یعنی سنگسار کر دیا جائے......! اس کے برعکس غیر شادی شدہ افراد کا فعل زنا ایک قبیح فعل ہونے کے باوجود اسلام کا مزاج عدل ان کے لیے رجم کے بجائے محض کوڑوں کی سزا پر اس لیے اکتفاء کرتا ہے کہ ایسے لوگ جو نفس امارہ کے شدید داعیہ اور شیطانی ترغیبات سے مغلوب ہو کر وقتی طور پر زنا کے فعل کے مرتکب ضرور ہوئے ہیں، تاہم ان کے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے چونکہ ان کو شرعی اور قانونی ذریعہ فی الوقت میسر نہیں تھا، اس لیے ان کی یہ لغزشِ زنا اپنی تمام تر قباحتوں کے باوجود، ان افراد معاشرہ کی ہولناکی اور خباثتِ نفس کے برابر نہیں ہوسکتی جو شادی شدہ ہونے کے باوجود فعل زنا کے ذریعہ معاشرہ میں گندگی پھیلانے کا باعث ہوتے ہیں۔ غیر شادی شدہ افراد کا فعل زنا ان کے شہوانی جذبات سے مغلوبیت اور ذریعہ تسکینِ جذبات میسر نہ ہونے کا شاخسانہ ہوتا ہے اور شادی شدہ افراد کا یہی فعل جذباتی مغلوبیت کے بجائے ان کی خباثتِ نفس اور ذہنی بے راہ روی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے اول الذکر قسم کے افراد اسلام کے نظام عدل کے مطابق نسبتاً نرمی کے مستحق ہیں، جبکہ دوسرے قسم کے افراد معاشرہ کے لیے ایک گندے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کو معاشرہ کے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کر دینا ہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ اور اول الذکر افراد کا برائے تنبیہ صرف کوڑوں کی سزا دے کر چھوڑ دینا ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے کافی ہے......!

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زنا بعد احصان یعنی شادی شدہ افراد کے ارتکاب زنا کی سزا کے بارے میں قرآنِ مجید میں واضح طور پر احکام موجود نہیں ہیں۔ تاہم بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف قولاً بلکہ عملاً

سزائے رجم نافذ کی ہے۔ پھر آپ کے بعد چاروں خلفاء راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اسی کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ قرن اول میں کسی کو بھی رجم کی سزا کے ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔ اس سزا کے سنت ثابتہ ہونے پر دور صحابہ سے اب تک تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہائے اسلام اس پر متفق رہے ہیں۔ امت کی پوری تاریخ میں سوائے خوارج اور معتزلہ کے کسی نے رجم کی سزا سے انکار نہیں کیا ہے............!

رجم کی قولی اور عملی احادیث چھتیس ۳۶ کبار صحابہ کرام سے مروی ہیں اور یہ صحابہ کرام ایسے رتبہ کے مالک ہیں کہ بقول علامہ ابن حزم ان میں سے دو یا تین کی روایت بھی کسی حدیث کو تواتر کی حد تک پہنچانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔[1] آپ حدیث کے سارے ذخیرہ کو کھنگھال لیجیے رجم کے خلاف کسی ایک بھی صحابی رسول سے کوئی قول نہیں ملے گا......!

اجماعِ اُمت کے علی الرغم عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اپنی کتاب ''حقیقتِ رجم'' میں، مولانا فراہی کی اتباع کرتے ہوئے سزائے رجم کے سلسلے میں سورۂ مائدہ کی آیتِ محاربہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے محاربین اور مفسدین کے لیے یہ لرزہ خیز سزا سنائی ہے کہ:

> ''انہیں عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیا جائے یا انہیں درخت کے تنوں میں کیلوں سے ٹھونک دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے (یعنی ایک دوسرے کے مخالف) کاٹ دیئے جائیں یا انہیں وہاں سے کہیں دور پھینک دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے ہولناک عذاب ہے۔[2]

عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے رجم کو ''غنڈہ گردی'' کی سزا قرار دیا ہے اور اس بات پر زورِ قلم صرف کیا ہے کہ عہد رسالت یا عہدِ خلافتِ راشدہ میں جن لوگوں کو رجم کیا گیا وہ زنا کے جرم میں ایک بار نہیں، کئی کئی بار

[1] دیکھئے: سزائے رجم قرآن وسنت کی روشنی میں...... پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی ص: ۱۲۵، ۱۲۶ (مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

[2] سورۂ مائدہ آیت نمبر: ۳۳

ماخوذ ہوئے تھے اور وہ سب شادی شدہ نہیں بلکہ بہت سے غیر شادی شدہ بھی تھے اور انہیں رجم، خود انہیں پاک کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان سے سماج کو پاک کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔[1] اپنی اس کتاب میں عنایت سبحانی صاحب نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دورِ رسالت میں جن کو بھی رجم کیا گیا، ان میں سے کسی کے صحابی یا صحابیہ ہونے کی کوئی مضبوط دلیل نہیں بلکہ ایسے لوگوں کو صحابی یا صحابیہ کہنا صحابیت کے بلند مقام سے بے خبری کی دلیل ہے۔[2]

موصوف نے اپنی اس کتاب ''حقیقتِ رجم'' میں صرف اس بات پر بس نہیں کیا ہے کہ ماعز اسلمی اور دورِ نبوت کے دیگر رجم کی سزا پانے والے اشخاص کو شرفِ صحابیت سے محروم کر کے خاموش ہو گئے ہوں، بلکہ آگے بڑھ کر جرأت بے جا سے کام لیتے ہوئے اس نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو منافق اور برملا ''غنڈوں کی صف'' میں شمار کر ڈالا ہے۔ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

> ''یہاں یہ بات بھی عجیب ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ رجم غنڈہ گردی کی سزا ہے تو اس سے لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہو جاتے ہیں کہ اس سے تو ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی غنڈوں کی صفت میں آ جاتے ہیں۔''[3]

آخر میں ''خلاصہ بحث'' کے عنوان سے موصوف نے انکار سزائے رجم محصن کے موقف کو مختصر الفاظ میں چند نکات میں سمیٹ کر بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

1. اسلام میں حدِّ زنا کے سلسلے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے لیے شریعت میں ایک ہی حد ہے اور وہ ہے سو (۱۰۰) کوڑے۔

2. رجم حدِّ زنا نہیں ہے بلکہ مفسدین اور محاربین کی سزا ہے۔ اس کے حدِّ زنا ہونے پر

---

[1] حقیقت رجم (عنایت اللہ سبحانی ص:۲۸۰)

[2] انصاص، ص : ۲۸۰، ۲۸۱

[3] حقیقت رجم (عنایت اللہ سبحانی ص:۲۳۶)

اجماع کا دعویٰ غلط ہے اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

۳۔ قرآن پاک میں سوکوڑوں کی سزا شادی شدہ زانیوں کے ہی پس منظر میں بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ خاص کر دینا بالکل ہی الٹی بات ہوگی۔

۴۔ اس سلسلے میں قرآن پاک سے جو حکم ملتا ہے، صحیح احادیث سے بھی وُہی حکم ثابت ہے۔ قرآن وحدیث میں اس باب میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض جو کچھ ہے وہ ہمارے سمجھنے میں ہے۔

۵۔ قرآنی آیات اس سلسلے میں نہایت واضح اور صریح ہیں۔ وہ اس سلسلے میں نہ کسی تبیین کی محتاج ہیں اور نہ کسی تخصیص کی متحمل ہیں۔[1]

آئندہ صفحات میں انشاء اللہ العزیز موصوف کے ان دعاوی کا مختصر سا جائزہ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ہمیں توقع ہے کہ قارئین ہماری معروضات پر سنجیدگی سے غور وفکر کریں گے۔

ناسپاسی ہوگی اگر آخر میں ان مخلص احباب اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، جن کی تحریک اور مخلصانہ تعاون کے نتیجہ میں ہم اپنی یہ کاوش ہدیۂ ناظرین کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر ہم اپنے مخلص اور دیرینہ کرم فرما جناب ڈاکٹر احمد سعید خاں صاحب، مینیجنگ ڈائریکٹر، ''امریا فارمیسی'' امریا پیلی بھیت اور محبِّ محترم ڈاکٹر عبدالجبار صاحب ڈانگ ضلع پیلی بھیت کے بے حد ممنون ومشکور ہیں، جن کی تحریک اور اصرارِ پیہم کے نتیجہ میں ہمیں یہ کتاب لکھنے کی توفیق ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ ہم جناب ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی برادر جناب ڈاکٹر طاہرالاسلام صاحب اور محترمہ جناب ڈاکٹر زینب صاحبہ ایم، بی، بی، ایس، ڈی، جی، او بمبئی کے بھی بے حد شکر گزار ہیں، جنہوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت میں اپنے تعاون اور قیمتی مشوروں سے نوازہ ہے۔ ان کے علاوہ اپنے شاگرد رشید عزیزی، ڈاکٹر شیخ علاؤالدین علی عباس سلمہٗ کی اس

---

[1] حقیقت رجم (عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۳۶)

کتاب کی ترتیب و اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی اور تگ و دو کا بھی خلوص دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ رب العزت انہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں استدعا ہے کہ اس کتاب کے دورانِ مطالعہ جہاں کوئی خامی یا کوتاہی محسوس فرمائیں، اس کی اصلاح اور نشاندہی فرمادیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح اور تدارک کیا جاسکے۔ ہم نے اس کتاب میں شروع سے آخر تک یہی کوشش کی ہے کہ تنقید و تعاقب کے دوران ہماری زبانِ قلم سے کسی طرح کی کوئی تلخ یا دل آزار بات، جارحیت اور بے اعتدالی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔ ہم نے حتی الامکان اپنی تحریر میں توازن، متانت اور حفظِ مراتب کا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم اگر نادانستگی میں ہمارے قلم سے کوئی نازیبا بات یا نامناسب جملہ فریق مقابل کے لیے نکل گیا ہو تو ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ ہمارا مقصد کسی کی توہین یا تنقیص ہرگز نہیں ہے بلکہ اعلاء کلمۃ الحق اور دفاع عن الدین کے جذبہ کے تحت ہی یہ ساری خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

ابو عدنان سہیل
سابق لیکچرر جامعہ طبیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فصل اوّل

شریعتِ اسلامیہ اور نفاذِ حدود!

حد کا مفہوم

عربی لغت کے مطابق "حد" دو چیزوں کے درمیان فصل پیدا کرنے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔[1] سید مرتضٰی زبیدی بلگرامی کے خیال کے مطابق کسی چیز کے منتہا کو بھی "حد" کہتے ہیں۔[2] امام راغب اصفہانی کے بقول "حد" دو چیزوں کے درمیان اس حاجز اور مانع کو کہا جاتا ہے جو حاجز اور مانع ان چیزوں کے درمیان اختلاط کو روکتا ہو۔ چنانچہ حد الزنا والخمر کی حد کو اسی لیے "حد" کہا جاتا ہے کہ وہ مرتکب زنا والخمر کو معاودہ سے روکتی ہے۔

"رد المحتار" میں حد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

((اَلحَدُّ لغةً اَلْمَنعُ وَشرْعًا عُقُوبَةٌ مُقَدَّرَةٌ وَجَبَتْ حَقُّ اللّٰہِ تَعالیٰ زَجرًا فَلَا تعزیر حد لعدم تقدیر وَلَا قِصَاصٌ حدٌّ لِاَنَّہ حَقُّ الْمَولیٰ))

"حد لغت میں منع کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں حد وہ سزا ہے جس کی مقدار معین ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو ان جرائم سے باز رکھیں۔ تعزیر بھی حد نہیں کیونکہ اس کی مقدار نہیں اور قصاص بھی حد نہیں کیونکہ وہ مقتول کے وارث کا حق ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری میں بھی حد کو ایک ایسی عقوبت کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق کے واسطے ہو۔ اسی لیے قصاص اور تعزیر کو حد میں شمار نہیں کیا گیا، کیونکہ اول الذکر حق العبد

[1] "محیط المحیط" المعلم بستانی ج نمبر: ۱ ص: ۳۵۸ (طبع بیروت ۱۸۷۰ء)
[2] "تاج العروس" سید مرتضٰی زبیدی ج: ۲، ص: ۳۳۱ (طبع بیروت ۱۸۶۶ء)

ہے اور ثانی الذکر مقدر نہیں ہے۔

حد کی جمع حدود ہے۔ قرآنی اصطلاح میں حدوداللہ ان چیزوں کا نام ہے جن کا حلال وحرام ہونا واضح ہو۔[1] قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

"یہ احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔"

چنانچہ "حد" شرعاً اس سزا کو کہتے ہیں، جو اللہ یا اس کے رسول ﷺ کی جانب سے مقرر کی گئی ہو۔ کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعة کی تصریح کے مطابق وہ سارے جرائم جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بطور حق اللہ ایک سزا متعین کر دی ہو، نہ صرف وہ جرائم ہی حدود ہیں بلکہ ان کی سزائیں بھی حدود کہلائیں گی۔ جیسے حد السرقہ اور حد الزنا وغیرہ۔ پھر سزائے حد کے حق اللہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سزا نہ تو معاف ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس میں کمی وبیشی یا ردوبدل کیا جا سکتا ہے اور اسی وجہ سے قصاص وغیرہ حدود سے خارج ہیں کہ اسے مجنی علیہ یا اس کے ورثاء معاف کر سکتے ہیں۔[2]

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ "حجة الله البالغه" میں لکھتے ہیں:

"بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے، یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دو چار بار ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے معاصی میں محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ ضروری ہے

---

[1] "لسان العرب" ابن منظور افریقی ج نمبر:۳، ص:۱۴۰ (طبع بیروت ۱۹۹۵ء)

[2] کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه عبدالرحمن الجزیری ج:۵، ص:۴۹ (مطبوعه شرکت الطباعه (مصر ۱۳۵۸ھ)

کہ ایسی عبرت ناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے سامانِ عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرم کرنے کی جرأت کریں۔''[1]

اقسام حدود

وہ جرائم جن کے حدود ہونے پر جمہور فقہاء کو اتفاق ہے، وہ سات ہیں۔ اور سب کے سب قرآنِ مجید سے ثابت ہیں۔[2]

1. حد زنا:......(سورۃ النور آیت نمبر:۲)
2. حد قذف:......(سورۃ النور آیت نمبر:۴)
3. حد محاربہ (رہزنی):......(سورۃ المائدہ آیت نمبر:۳۳،۳۴)
4. حد سرقہ:......(سورۃ المائدہ آیت نمبر:۳۸)
5. حد خمر:......(سورۃ المائدہ آیت نمبر:۹۰)
6. حد بغاوت:......(سورۃ الحجرات آیت نمبر:۹)
7. حد ارتداد:......(سورۃ البقرہ آیت نمبر:۲۱۷)

شریعت میں نفاذِ حدود کی شرائط

اجرائے حد کے لیے شریعت نے جو شرائط ضروری قرار دی ہیں، ان میں ثبوت و شہادت میں انتہائی احتیاط برتنے کے علاوہ جس پر حد واقع ہو رہی ہو، اس کا صحیح العقل، تندرست اور سلیم البدن ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ اصول بھی متعین کر دیا گیا ہے کہ شک وشبہ کی حالت میں حد کا اجراء نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ یہ شریعت اسلامیہ کا عام قاعدہ ہے کہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، مگر اس قاعدہ کا کلی اطلاق تعزیرات پر

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۵ء ج:۲،ص:۱۵۸)

[2] التعزیر الشرعی الاسلامی ڈاکٹر عبدالعزیز عامر ص: ۱۳

نہیں ہوتا۔ جدید قانون میں بھی شک کا فائدہ ملزم کو بطور استحقاق حاصل ہے۔ ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے نظائر اس اصول کو بطور قانون پیش کرتے ہیں۔ اسلامی عدالت میں جرم قابل اجراء حد "ثابت ہونے پر" حد کسی طرح ساقط نہیں ہوتی۔ شک وشبہ کے سبب سے حدود سے درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن جرم ثابت ہونے کے بعد حد ساقط نہیں ہوتی۔

علامہ ابن حزم ظاہری اگرچہ شبہات کی وجہ سے اسقاطِ حد کے منکر ہیں لیکن بہت سی احادیث مرفوعہ، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہائے اسلام کے اتفاق سے ایسی حالت میں سقوطِ حد ثابت ہے۔ اس لیے علامہ ابن حزم کا انکار قابل التفات نہیں۔ بہت سے بہت ہم اسے ان کا تفرد کہہ سکتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی "جامع ترمذی" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ:

((اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ مَا اسْتَطَعْتُمْ))

"یعنی حدود کو ٹالو جہاں تک ممکن ہو سکے۔"[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں شبہات کی وجہ سے حدود کو معطل کر دوں تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں شبہات کے ہوتے ہوئے قائم کروں۔ حضرت معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب تجھے حد میں شبہ پڑ جائے تو اسے ٹال دے۔[2]

شبہات کی بنا پر حدود کے ساقط ہو جانے یا سزائے حدود کے ٹال دیئے جانے کے اس مسلمہ اصول سے یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ شریعت نے اجراء حد کے مستحق مجرموں کو ثبوت وشہادت میں صرف معمولی سا شبہ پیدا ہو جانے کی بنا پر قطعی بے گناہ سمجھ لیا ہے اور ان کو جرم کی ذرا سی بھی سزا دیئے بغیر یونہی چھوڑ دیا جائے گا......؟؟ اس طرح تو قرآنِ مجید کی اس آیت کریمہ کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے، جس میں زانی غیر محصن کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں یہ حکم دیا ہے:

---

[1] جامع الترمذی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۲۴ (طبع نور محمد کراچی)
[2] معدن الحقائق محمد حنیف گنگوہی ج نمبر: ۱، ص: ۴۱۱ (مکتبہ اشرفیہ لاہور)

﴿وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾

[المائدہ : ۲]

"دونوں کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں (سو (۱۰۰) کوڑے لگاتے ہوئے) تم کو ان پر ذرا بھی ترس نہیں آنا چاہیے، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور آخرت کے دن (اللہ کے حضور جواب دہی پر) تمہیں یقین ہے۔"

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر آگاہ کیا گیا ہے کہ جنہیں محاسبۂ آخرت پر یقین ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے نفاذ میں کسی رورعایت سے کام نہ لیں اور مجرم کے حق میں شفقت کا ادنیٰ داعیہ بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہو اور یہی ان کے ایمان کا عملی تقاضا بھی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی ذہنی الجھن اور غلط فہمی صرف ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو اسلامی قانون کی نزاکتوں اور اس کی اصل روح سے ناآشنا ہیں اور ہر چیز کو سطحی طور پر دیکھنے کے عادی ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ اسلامی قانون میں یہ اصول رکھا گیا ہے کہ جس جرم کی سزا جتنی سخت ہے، اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی ویسی ہی سخت رکھی گئی ہیں اور ان سزاؤں کے اجراء میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم ہے۔ مثال کے طور پر زنا کی سزا اسلام میں انتہائی سخت ہے۔ چنانچہ ثبوت زنا کے لیے سخت ترین شرط عائد کردی گئی ہے۔ عام معاملات میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ثبوت کے لیے کافی سمجھی گئی ہے، لیکن حد زنا کے لیے چار مرد گواہوں کی ایسی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو ضروری شرط ہے۔ یہی نہیں بلکہ شہادت زنا کی اگر کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر عدالت نے شہادت رد کردی ہو تو پھر شہادت دینے والوں کی خیریت نہیں۔ ان پر قذف، یعنی زنا کی جھوٹی شہادت کا جرم قائم ہو کر حد قذف یعنی اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ میں اجراء حدود کی سزائیں سنگین رکھی گئی ہیں۔ اسی مناسبت سے ثبوت وشہادت کی شرائط بھی انتہائی سخت ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ اصول بھی بنا دیا گیا ہے کہ معمولی سا شبہ پیدا ہو جانے پر حد تو ساقط

ہو جاتی ہے، البتہ جرم کی مناسبت سے ''تعزیری سزا'' باقی رہ جاتی ہے اور اس کے نفاذ کو قاضی یا عدالت شرعیہ کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے......!!

نفاذ حدود کے لیے ثبوت و شہادت میں احتیاط برتنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ مجرم کے صحیح العقل، تندرست اور سلیم البدن ہونے کی جو شرائط عائد کی گئی ہیں، ان کے لیے صحیح احادیث میں نظیریں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جب زنا کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے رخ مبارک پھیر لیا۔ وہ برابر اپنے گناہ کا اعتراف کرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ رخ انور ان کی طرف سے پھیرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: ''کیا تو پاگل ہے؟'' ماعز رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں! پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا۔[1] یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس پر حد جاری ہو، اس کو صحیح العقل ہونا چاہیے اور اس کے ذہنی طور پر صحت مند ہونے کی اسی طرح تصدیق کی جانی ضروری ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کی تھی۔

نفاذ حدود کے لیے مجرم کا صحت مند ہونا بھی ضروری شرط ہے۔ اس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے مروی اس حدیث کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی کے ارتکاب زنا کے جرم پر حد جاری کرنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا کہ حال ہی میں اس کے ولادت ہوئی ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحیح بخاری ج نمبر:۲، حدیث نمبر:۱۰۰۷ (طبع دہلی ۱۳۲۵ھ)

فرمایا: تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔[1]

اسی ضمن میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے، جس کے مطابق ایک دن وہ ایک ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، جو ناقص الخلقت اور بیمار شخص تھا اور ایسا بیمار تھا کہ صحت مند ہونے کی امید نہ تھی۔ اس شخص کو اہل محلّہ کی باندیوں میں سے ایک باندی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ اس کی صحت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی ٹہنی لو، جس میں سو چھوٹی چھوٹی شاخیں ہوں۔ اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو۔[2]

زنا کی لغوی اور شرعی تعریف

زنا کا لفظ اگر ''ی'' کے ساتھ لکھا جائے یعنی ''زنی'' تو لغت میں اس کے معنی زنا کے ہیں۔ لیکن اگر یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ لکھا جائے یعنی ''زناء'' تو اس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی زنا کا مفہوم شامل ہے، کیونکہ فعل زنا کے وقت ہیئت کے اعتبار سے مرد عموماً عورت کے اوپر چڑھا ہوا ہی ہوتا ہے۔

زنا کے لغوی اور شرعی معنی میں صرف اتنا فرق ہے کہ اس کی شرعی یا فقہی تعریف میں کچھ جامع اور ناگزیر شرطیں لگی ہوئی ہیں اور ان شرائط پر الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ تمام فقہائے امت متفق ہیں۔ مثال کے طور پر زنا کی تعرف علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے اس طرح کی ہے:

((اَمَّا الزِّنَا فَهُوَ اسْمٌ لِلْوَطَاءِ الْحَرَامِ فِیْ قُبُلِ الْمَرْأَةِ الْحَيَّةِ فِیْ حَالَةِ الْاِخْتِيَارِ))[3]

''زنا نام ہے کسی بالغ مرد کا کسی ایسی زندہ عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کا جو جنسی خواہش پوری کرنے کی عمر کو پہنچ گئی ہو۔''

---

[1] مظاہر حق ج:۳، ص:۶۰۹ (شرح مشکوٰۃ)
[2] مظاہر حق ج:۳، ص:۶۱۴ (شرح مشکوٰۃ)
[3] بدائع الصنائع علامہ کاسانی ج:۷، ص ۴۶

امام مالک نے فعل زنا کی جو تصریح کی ہے، اس کو صاحب بدایة المجتهد، ابن رشد نے ان لفظ میں نقل کیا ہے:

((اَلزِّنَا فَهُوَ كُلُّ وِطَاءٍ وَقَعَ عَلَى غَيْرِ نِكَاحٍ صَحِيحٍ وَلَا شُبْهَةِ نِكَاحٍ وَلَا مِلْكِ يَمِيْنٍ))[1]

”زنا اس جنسی خواہش پورا کرنے کے عمل کو کہتے ہیں، جو نکاح صحیح کے ذریعہ نہ ہو اور نہ نکاح کا شبہ ہو اور نہ وہ ملک یمین (یعنی باندی) ہو۔“

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری ”الفقه على المذاهب الاربعه“ میں زنا کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

((اَلزِّنَا عِبَارَةٌ عَنْ وِطَاءِ مُكَلَّفٍ فِيْ فَرْجِ امْرَأَةٍ مُشْتَهَاةٍ خَالٍ عَنِ الْمِلْكِ وَشُبْهِهِ وَيَثْبُتُ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ نَسَبًا وَّرِضَاعَةً))[2]

”زنا کہتے ہیں کسی بالغ مرد کا ایسی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنا جو اس عمر کو پہنچ چکی ہو اور وہ ملک یا شبہ ملک سے خالی ہو۔ اور نسب و رضاعت کے ذریعہ حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔“

مذکورہ بالا فقہی تصریحات اور زنا کی تعریفوں سے فعلِ زنا کے بارے میں پانچ (۵) باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ فعل زنا کا صدور اصلاً مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ عورت کو مجازاً زانیہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس فعل کا وقوع عورت پر ہوتا ہے۔ مرد کی حیثیت فاعل کی ہوتی ہے اور عورت مفعول۔

۲۔ زنا کرنے والے مرد کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔

۳۔ جس عورت سے وہ زنا کرتا ہے، وہ اس کے نکاح صحیح میں نہ ہو، بلکہ اجنبی ہو اور وہ عورت بھی زنا کی عمر کو پہنچ چکی ہو اور زندہ ہو۔ یعنی اگر چھوٹی بچی یا مُردہ عورت سے

---

[1] بدایة المجتهد ابن رشد ج:۲،ص:۴۳۳ (مطبوعہ بیروت ۱۹۸۳ء)

[2] ”الفقه على المذاهب الاربعه“ عبدالرحمٰن الجزیری ج:۵،ص:۴۱

زنا کیا جائے تو ایسی صورت میں مرد پر حدِ زنا کا نفاذ نہیں ہوگا۔

۴ جس عورت سے زنا کیا گیا ہو، وہ کسی کی شرعی لونڈی نہ ہو۔

۵ عورت کی شرمگاہ یعنی فرج میں اس نے اپنی شہوت پوری کی ہو، عورت یا مرد کے پاخانہ کے مقام پر شہوت پوری کرنے کی صورت میں زنا کی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ البتہ اس فعل پر تعزیر ہر صورت میں ہوگی۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ قُبل کے ساتھ دُبُر میں بھی قضاء شہوت پر حدِ زنا کے نفاذ کے قائل ہیں۔ [1]

اسلامی شریعت نے نہ صرف زنا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ اس نے اس کے ذرائع اور محرکات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں واضح طور پر مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيلًا ۝ ﴾

[آیت : ۳۲]

''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بلاشبہ یہ فعل کھلی ہوئی بے حیائی ہے اور بدترین راستہ ہے۔''

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں (عباد الرحمٰن) کی پہچان بتاتے

---

[1] الاحکام السلطانیہ ابو یعلی ص : ۲٤۷ ، ماوردی ص : ۲۱۲

نوٹ:......حدِ زنا کے لیے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس جرم کا مرتکب زنا کی حرمت سے واقف ہو۔ جو آدمی (یا عورت) حرمتِ زنا سے لاعلم ہو۔ اس پر بھی حد قائم نہ ہوگی۔ جیسا کہ جناب عمر بن خطاب علی بن ابی طالب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اس شرط کے قائل اور عامل تھے۔ ان تینوں بزرگ صحابہ سے: لَا حَدَّ إِلَّا عَلَى مَنْ عَلِمَهُ'...... حدِ زنا صرف اسی پر ہوگی جو اس کا علم رکھے۔ (یعنی اسے معلوم ہو کہ زنا کی سزا کیا ہے؟) مصنف عبدالرزاق:۷/۴۰۳، ح:۱۳۶۴۴، ۷/۴۰۵، ح:۱۳۶۴۸ اور السنن الکبریٰ للبیہقی :۸/۴۱۵، ح:۱۷۰۶۵ میں ان کا قول واثر مروی ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کی ان کے ساتھ اس ضمن میں مخالفت ثابت نہیں ہے۔ مثلاً کوئی مرد یا کوئی عورت جو بالکل نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہو اور اسے شریعتِ اسلامیہ کے مسائل کا قطعاً علم نہ ہو تو ارتکابِ زنا کی صورت میں اس پر حدِ زنا نافذ نہ ہوگی۔ تفصیل کے لیے: مغنی ابن قدامہ اور الملخص الفقهي لفضيلة الشيخ صالح بن فوزان الفوزان جلد دوم، ص:۵۲۳ دیکھیے۔ (ابو یحییٰ)

ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴾ [الفرقان: ٦٨]

''جس جان کو قتل کرنا حرام ہے، اسے وہ ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا جیسے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور جو کوئی ایسے کام کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔''

فعل زنا کی قباحت اور شناعت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اس کا ذکر قتل نفس کے فوراً بعد بلکہ اس کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ گویا کسی کو قتل کر دینا، جس طرح اس شخص کے جسمانی وجود کو ختم کر دیتا ہے، ٹھیک اسی طرح فعل زنا کا ارتکاب کرنے والا انسان معنوی وجود اور اس کی روح کو فنا کر دینے کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کا یہ قبیح فعل نہ صرف یہ کہ قتلِ نفس کی طرح ایک بڑا جرم ہے بلکہ نتائج کے اعتبار سے پوری انسانیت اور معاشرے کے لیے تباہی کا باعث ہے۔ اس گھناؤنے جرم کے بعد عورت اپنی عفت وعصمت سے محروم ہو جاتی ہے، جس سے اس کے قبیلہ اور خاندان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس فعل کے نتیجہ میں نسل ضائع چلی جاتی ہے اور خاندانی سلسلے کا نام ونشان باقی نہیں رہتا۔ فعل زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے پر کوئی آمادہ نہیں ہوتا۔ جس سوسائٹی میں زنا عام ہو جاتا ہے، اس میں ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام جرائم میں فحش تر جرم، زنا کو قرار دیا ہے اور اس کی مناسبت سے اس کی سزا بھی انتہائی مقرر فرمائی ہے۔ یعنی ایسے زانی کے لیے جو شادی شدہ نہ ہو سو (۱۰۰) کوڑے سزا مقرر کی ہے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ افراد کے لیے ''محصن'' اور ''غیر محصن'' کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ محصن، حِصن سے نکلا ہے۔ جس کے معنی قلعہ کے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قلعہ حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ تو جس کی شادی ہوگئی

اس کو اپنی شہوت نفسانی کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ مل گیا۔اب اگر وہ اس قلعہ سے باہر آتا ہے، تو وہ اپنی حفاظت کا پردہ گویا خود چاک کرتا ہے۔اس کے برخلاف غیر شادی شدہ کو یہ حفاظت حاصل نہیں ہے، اس لیے اس کا جرم زنا...... اپنی ساری قباحتوں کے باوجود...... بہرصورت شادی شدہ افراد کے جرم زنا سے ہلکا ہے۔اسی اعتبار سے دونوں کی سزامیں شریعت نے فرق کیا ہے۔

جرم زنا کی ذہنی اور اخلاقی قباحتوں اور اس کے دوررس نتائج اور مختلف پہلوؤں کی وضاحت مشکوٰۃ کی اس حدیث نبوی سے بخوبی ہوجاتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذَالِكَ لَا مَحَالَةَ ، فَالْعَيْنَانِ زِنَا هُمَا النَّظَرُ وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْإِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا، وَالْقَلْبُ يَهْوَىٰ وَيَتَمَنَّى وَيُصَدِّقُ ذَالِكَ الْفَرْجُ أَوْ يُكَذِّبُهُ))[1]

''زنا میں ابن آدم کا جو حصہ ہوتا ہے وہ لکھ دیا جاتا ہے اور اس گناہ کا وہ حصہ ضرور پاتا ہے۔پس آنکھ کا زنا شہوت سے کسی غیر محرم کو دیکھنا ہے۔کانوں کا زنا شہوت انگیز باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا جنسی جذبات کو ابھارنے والی باتیں کرنا ہے۔ ہاتھ کا زنا کسی کو بری نیت سے پکڑنا ہے اور پیر کا زنا اس کا اس راستہ میں چلنا ہے۔ پہلے قلب میں برے خیالات پیدا ہوتے ہیں، پھر وہ غلط تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچ یا جھوٹ کر دکھاتی ہے۔''

زنا کی شہادت اور اس کا طریقہ

زنا کے جرم کے ثبوت کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ چار چشم دید گواہ زنا کی شہادت دیں۔

---

[1] صحیح مسلم/کتاب القدر/ باب قدر علی ابن آدم حظه مِنَ الزِّنىٰ وغیرہ، حدیث: ٦٧٥٤

۴۔ زانی خود اپنے جرم کا اقرار کرے۔

زنا کے ثبوت کی کچھ عمومی شرطیں ہیں اور کچھ خصوصی شرطیں۔ ان تمام شرطوں میں کچھ باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

الف ...... یہ کہ چار گواہ مرد ہوں۔ حدود میں عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

ب...... اگر چار سے کم نے گواہی دی تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسی صورت میں ان لوگوں پر جن کی شہادت قبول نہیں کی گئی ہے حد قذف جاری کی جائے گی۔ اس ضمن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب ان پر زنا کا الزام لگایا گیا تو تین گواہوں نے صراحتہً گواہی دی، مگر چوتھے نے گول مول الفاظ استعمال کیے۔ اس لیے اس کی گواہی رد کر دی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین گواہوں پر حد قذف جاری کی اور اس پر کسی صحابی نے ان سے اختلاف نہیں کیا۔ اس طرح یہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

ج...... شہادت کے وقت اتحاد مجلس یعنی ایک وقت میں سب گواہوں کی عدالت میں موجودگی ضروری ہے۔ اگر متفرق طور پر شہادت کے لیے آئیں گے، تو ان کی شہادت رد کر دی جائے گی اور ان گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔

د...... جس کے خلاف زنا کی گواہی دی جاری ہو اس کا اس لائق ہونا ضروری ہے کہ اس سے زنا کا صدور ہو سکتا ہو۔ مثلاً مجبوب یعنی وہ شخص جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو اس پر زنا کی گواہی معتبر نہیں مانی جائے گی اور گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔ البتہ وہ شخص اگر خصی اور عنین یعنی نامرد ہو تو اس کے بارے میں گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اس لیے کہ اس سے زنا کا صدور ممکن ہے۔ کیونکہ علاج معالجہ کے ذریعہ نامردی کا تدارک ہو سکتا ہے۔

ھ...... زنا کی گواہی دینے والے تمام گواہوں کے بیان میں یکسانیت ہونی ضروری ہے۔ مثلاً اگر ایک کہتا ہے کہ فلاں مقام پر یہ فعل کیا گیا اور دوسرا گواہ اس کے برخلاف کسی دوسری جگہ کی نشاندہی کرتا ہے، یا ایک گواہ کا بیان ہے کہ فعل زنا کا صدور

فلاں دن ہوا اور دوسرا گواہ کسی اور دن کے بارے میں شہادت دیتا ہے تو ایسی صورتوں میں بھی ان کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ اور ان گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔

ز...... زنا کی گواہی دینے والوں میں سے اگر دو گواہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہے، مگر باقی دو گواہوں کا بیان ہے کہ نہیں بلکہ عورت کی رضا مندی سے یہ فعل ہوا ہے تو ایسی صورت میں قاضی ان سے جرح کرے گا کہ زنا کیا ہے اور کیسے وقوع پذیر ہوا؟ کب ہوا اور کس عورت سے ساتھ زنا کا فعل ہوا؟[1]

فقہاء کی تصریح کے مطابق زنا کی حقیقت کے بارے میں جرح اس لیے کی جائے گی کہ ممکن ہے اس نے زنا کا غیر معروف مفہوم سمجھا ہو، جیسے کہ سطور گذشتہ میں حدیث گذر چکی ہے کہ آدمی کی دونوں آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ پیر سے بھی زنا کا صدور ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کا بھی امکان ہے کہ گواہ نے اس طرح کے کام کو زنا سمجھ لیا ہو۔ کب ہوا کا سوال اس لیے کیا جائے گا کہ ممکن ہے یہ جرم بہت پہلے ہوا ہے اور ایک لمبی مدت گذرنے کے بعد وہ گواہی دے رہا ہو تو یہ چیز اس کی صحت میں شبہ پیدا کرتی ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جگہ کے بارے میں سوال اس لیے کیا جائے گا کہ ہوسکتا ہے اس نے فعل زنا کسی دوسرے ملک میں کیا ہو۔ ایسی صورت میں بھی اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ مزنیہ یعنی وہ عورت جس سے زنا کیا گیا ہے اس ملزم شخص کی بیوی رہی ہو۔ اس لیے عورت کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا کہ وہ کون ہے؟ اس کے علاوہ قاضی ان گواہوں سے یہ بھی پوچھے گا کہ زنا کار محصن (مرد اور عورت دونوں) ہیں یا غیر محصن؟ اس کے بعد اسی کے مطابق رجم یا سو ۱۰۰ کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔[2]

---

[1] بدائع الصنائع علامہ کاسانی ج : ۷، ص ۴۹.

[2] ''حدود و قصاص'' مولانا مجیب ندوی، بحوالہ ''الرشاد'' فروری ۹۵ء

اپنے جرم کا اقرار

جرم زنا کے ثبوت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زانی خود اپنے جرم کا اقرار کرلے۔ شہادت میں تو شبہ کی گنجائش ہوتی ہے، مگر اقرار میں کسی قسم کے شک وشبہ کا امکان نہیں رہتا۔ کیونکہ آدمی حتی الامکان اپنے اوپر تہمت کو پسند نہیں کرتا۔

اقرار کے لیے کچھ شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ ان میں دو شرطیں تو ایسی ہیں جو زنا کے علاوہ دیگر حدود کے لیے بھی ضروری ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ اقرار کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے اقرار کرے۔ اشارے سے اقرار یا لکھ کر دینے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ گونگے کے اقرار یا اس کے لکھ کر دینے پر حد کا اجراء نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اندھے کا اقرار قابل قبول ہوگا، کیونکہ بینا ہونا شرط نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کا اقرار بھی مرد کی طرح قابل قبول ہوگا۔

اقرار زنا کے لیے کچھ شرطیں مخصوص ہیں جو ان مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ ہیں۔ ان میں پہلی شرط یہ ہے کہ زانی اپنے فعل زنا کا اقرار چار بار اپنی زبان سے کرے۔ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار ان سے دریافت فرمایا تھا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ چار مرتبہ کا اقرار وقفہ وقفہ سے ہونا چاہیے۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی کی روایت کے مطابق ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے اقرار زنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار واپس کیا تھا اور چوتھی مرتبہ آکر اقرار کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا تھا۔

جس طرح شہادت کے بعد قاضی کے لیے گواہوں سے جرح کرنا ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح اقرار کے بعد بھی وہ اس سے اتمام حجت کے لیے چند سوالات کرے گا۔ یعنی زنا کیا ہے؟ کس طرح کیا؟ اور کس کے ساتھ کیا؟ وغیرہ۔ جب ان سوالات کے جواب وہ دے لے گا تو اس کے بعد ہی اس پر حد جاری ہوگی۔ اس ضمن میں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جرح کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص زنا کا اقرار کرنے کے بعد پھر جائے تو احناف، حنابلہ اور شوافع کی رائے کے مطابق اس کے رجوع کو قبول کیا جائے گا اور اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ شبہ کی بنا پر حد جاری نہ کی جائے اور اس کا اقرار سے پھر جانا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی اس کی دلیل ملتی ہے۔ جب ان کو رجم کیا جانے لگا تو وہ بھاگنے لگے، مگر ان کو دوڑا کر مار ڈالا۔ اس بات کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

((هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ لَعَلَّهُ اَنْ يَّتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

[سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۱۹]

"تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ ہوسکتا ہے وہ تائب ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے دامن رحمت میں لے لیتا۔"

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے اس سلسلے میں قدرے مختلف ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اگر اقرار سے پہلے کوئی شبہ پیدا ہو تو حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن اگر وہ کسی شبہ کے بغیر اپنے اقرار سے پھر رہا ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔[1]

[1] "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" عبدالرحمٰن الجزیری ج:۵، ص:۸۴،۸۵

فصل دوم

حدِّ رجم......قرآن وسنت کی روشنی میں

انکارِ رجم کے سلسلے میں فراہی فکر کا اتباع کرنے والوں کے ''مزمومہ دلائل'' اوران کی فکری تگ وتاز پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم بارگاہِ رب العزت میں بصد عجز ونیاز اپنی فکر وفہم کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں اوراپنے نفس شریر کے شر سے اس کی پناہ چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت کے طلب گار ہیں۔ بلاشبہ وہ جس کو بھی راہِ ہدایت کی طرف رہنمائی کردے، وہی ہدایت یافتہ ہےاور جسے راہِ حق سے وہ پھیردے وہی گمراہ ہے۔

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَه' وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَه'))

زیرِ بحث کتاب ''حقیقتِ رجم'' کے مصنف جناب مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب، اپنی علمی لیاقت، تصنیف وترجمہ کی صلاحیتوں اور تفسیر، حدیث وفقہ کے درس و تدریس کے طویل تجربہ کی بنا پر علمی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ موصوف نے امام محمد یونیورسٹی ریاض سے قرآنی علوم میں ایم اے اور پھر پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایسی ہمہ صفت موصوف ہستی کو ان کی کسی لغزش یا کوتاہی کی طرف توجہ دلانا ہم جیسے اصاغر اور علم وعمل سے کورے انسان کے لیے بلاشبہ جرأت بے جا اور سوئے ادبی کی بات ہے۔ مگر اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ کے خیال سے ہم......نفس موضوع پر اظہارِ خیال سے پہلے......اس بات پر حیرت وافسوس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موصوف نے ایک ٹھوس دینی موضوع پر لکھنے کے لیے قلم اٹھایا، مگر ابتداء کتاب سے آخر تک کہیں بھی ''بسم اللہ'' نہیں لکھی نہ تو پیش لفظ یا مقدمہ کے شروع میں اور نہ کتاب کا آغاز کرتے وقت۔ موصوف کو یہ بتانے کی غالبًا ضرورت نہیں ہے کہ احادیث کی تصریح کے مطابق جس کام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، اس کام

سے نہ صرف برکت اٹھالی جاتی ہے بلکہ اس کام میں شیطان بھی شریک ہو جاتا ہے۔ایک مسلمان کے لیے ہر کام شروع کرتے وقت "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے آغاز کرنے کا حکم ہے خواہ وہ کھانا کھانے جا رہا ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے......ظاہر ہے کہ جس کتاب کے لکھتے وقت اللہ سے مدد اور توفیق طلب کرنے کی بجائے شیطان رجیم کو اپنا ہم جلیس بنالیا گیا ہو، اس کتاب کی علمی وقعت اور دینی رہنمائی کی صلاحیت کس پایہ کی ہوگی؟ تشریح کی ضرورنہیں۔

آیتِ محاربہ سے استدلال

مولانا عنایت اللہ سبحانی کی کتاب ''حقیقتِ رجم'' کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ علامہ حمید الدین فراہی کا اتباع کرتے ہوئے، ٹھیک انہیں کے انداز میں رجم کے حکم کو سورۃ النساء کی پندرہویں آیت کے اشارۃ النص ﴿ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴾ متواتر احادیث اور اجماع امت کے علی الرغم قرآنِ مجید کی سورۃ المائدہ کی آیت محاربہ سے ماخوذ مانتے ہیں۔اس طرح علامہ فراہی اور ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی صاحبِ ''تدبرِ قرآن'' کی طرح ان کا موقف بھی یہی ہے کہ رجم کی سزا شادی شدہ کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ زنا کے ہر عادی مجرم کے لیے ہے، خواہ وہ کنوارہ ہو، یا شادی شدہ۔ان کے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جو واقعات رجم پیش آئے وہ سب عادی مجرموں کے سلسلے میں ہیں۔محصن یا غیر محصن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آیئے دیکھیں! کیا واقعی سورۂ مائدہ کی آیت محاربہ سے رجم کا ثبوت نکلتا ہے؟ اور کیا پوری امت نے اس آیت کو رجم کے لیے دلیل مانا ہے؟ یا یہ کہ یہ نظریہ صرف علامہ فراہی اور ان کے متبعین کے دماغوں کی ایجاد ہے۔؟؟

آیت محاربہ ملاحظہ ہو۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ

فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَـٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ [المائدہ: ۳۳]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برسر جنگ ہوتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے، یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے ہولناک عذاب ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی جو موجودہ دور میں فراہی مکتب فکر کے سرخیل اور انکارِ رجم کے موقف میں عنایت اللہ سبحانی صاحب کے ہمنوا اور پیش رو ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں رجم کے ثبوت کے لیے سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اسے انہوں نے سورۂ نور کی تفسیر کرتے ہوئے ان الفاظ میں دہرایا ہے:

''ہم نے (سورۂ مائدہ میں) رجم کا ماخذ ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔ اَنْ یُّقَتَّلُوْا یہ کہ فساد فی الارض کے یہ مجرمین قتل کر دیئے جائیں، یہاں لفظ قتل کے بجائے تقتیل باب تفعیل سے استعمال ہوا ہے...... اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ ان کو عبرت انگیز اور سبق آموز طریقہ سے قتل کیا جائے...... رجم یعنی سنگساری بھی ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے۔''[1]

آیت محاربہ سے رجم کے استدلال کے لیے مولانا امین احسن اصلاحی نے مغالطہ دینے کے لیے امام بخاری کا نام لیا ہے کہ وہ رجم کو آیت محاربہ کے تحت لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت میں رجم کے جو واقعات پیش آئے، ان کی مخصوص نوعیت کے پیشِ نظر امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں

---

[1] ''تدبر قرآن'' مولانا امین احسن اصلاحی ج: ۵، ص: ۳۶۹

انہیں آیت محاربہ کے تحت بیان کیا ہے اور کتاب المحاربین میں ایک ایسی روایت لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں بعض لوگ رجم کی سزا کا ماخذ سورۂ مائدہ کی اس آیت کو سمجھتے ہیں۔‘‘[1]

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے بھی اپنی کتاب ’’حقیقتِ رجم‘‘ میں اپنے پیش رو اور ہم مشرب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا اتباع کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ کے تعلق سے وہی بات کہی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

’’جب ہم صحیح بخاری کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہایت واضح طور پر جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب الحدود کے نام سے شرعی حدود کا ایک باب قائم کیا ہے، لیکن اس میں صرف ان روایات کا ذکر کیا ہے جو چوری اور شراب نوشی کی حدود سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ رجم کی روایات کا اس باب میں سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ پھر اسی باب سے متصل ایک دوسرا باب قائم کیا ہے۔ جس کا عنوان رکھا ہے:

((كِتَابُ الْمُحَارِبِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ))

یعنی ’’ان لوگوں کا باب جو خدا اور رسول سے برسر جنگ ہوتے ہیں اور یہ اہل کفر وارتداد میں سے ہوتے ہیں۔‘‘

اس باب کے ذیل میں انہوں نے رجم سے متعلق تمام روایات جمع کر دی ہیں۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی مطلب اس سے نکل سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ رجم کو شرعی حدود میں شمار نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ اسے ان عبرت ناک تعزیرات میں شمار کرتے ہیں جو محاربین ومفسدین اور دشمنانِ خدا کے لیے ہوتی ہیں۔‘‘[2]

رجم کا شمار ’’حدود‘‘ میں ہوتا ہے یا یہ محض ایک تعزیر ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے

---

[1] ’’تدبر قرآن‘‘ مولانا امین احسن اصلاحی ج:۵، ص:۳۶۹

[2] ’’حقیقت رجم‘‘ عنایت اللہ اسد سبحانی ص:۲۲۲

لیے گذشتہ صفحات میں ہم نے فصل اول کے تحت ''شریعت اسلامیہ اور نفاذ حدود'' کے عنوان سے جو مبسوط بحث کی ہے، اس کا مطالعہ قارئین کے لیے کافی ہوگا۔ البتہ آیت محاربہ سے رجم کے اثبات کا تکلف کرنے والے ''جدید مفکرین'' سے ہم یہ دریافت کرنے کی جرأت ضرور کریں گے کہ ان کے خیال کے مطابق رجم کی سزا صرف محاربین اور مفسدین یعنی چور اور ڈاکوؤں اور زنا کے ''عادی مجرمین'' کے لیے تجویز کی گئی ہے، تو کیا ڈاکو اور زنا بالجبر کے مجرمین جب تک ''عادی'' نہ ہوں اس وقت تک ان کو مذکورہ بالا سزا نہ دی جائے گی؟

صرف زنا کے عادی مجرم کے ساتھ ہی یہ قید فراہی فکر والے آخر کیوں لگاتے ہیں؟ اس کے علاوہ جب مذکورہ آیت کریمہ میں مجرموں کو بری طرح قتل کیے جانے کی صراحت موجود ہے تو پھر ایسی صورت میں کیا وہ صدر اول کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ کسی زانی کو سولی پر لٹکایا گیا ہو یا الٹی سمت سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے ہوں؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "کتاب المحاربین" کے تحت "رجم المحصن" کے نام سے جو ایک باب باندھا ہے اور اس میں رجم کا ذکر کیا ہے، اس کی توجیہہ ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں فقہاء و محدثین کے موقف کے تحت کریں گے۔ سر دست صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ انہوں نے سورۂ مائدہ کی آیت محاربہ کے تحت قسامت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((مَا عَلِمْتُ نَفْسًا حَلَّ قَتْلُهَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا رَجُلٌ زَنَا بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ))[1]

''میں نہیں جانتا کہ حالت اسلام میں تین صورتوں کے علاوہ قتل جائز ہے۔ ایک یہ کہ کسی نے شادی کے بعد زنا کیا ہو، دوسری یہ کہ کسی نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو اور تیسری یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہو۔''

---

[1] بخاری شریف ج:۲، ص:۲۶۳

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں چونکہ واضح طور پر قتل کے مستحق افراد میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محاربہ کرنے والوں کا ذکر کر دیا ہے۔ قتل کیے جانے کے مستحق باقی دو قسم کے افراد میں بندوں کے جان و مال پر ڈاکہ ڈالنے والے مفسدین بھی اسی آیت کے ضمن میں آ جاتے ہیں۔ البتہ زنا بعد احصان کے مجرموں کا ذکر یہاں ضمناً کر دیا ہے، کیونکہ وہ بھی...... طریقہ قتل سے قطع نظر...... جان سے ہاتھ دھونے کے مستحق ہیں۔ امام بخاری اس روایت سے صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حالت اسلام میں کسی کو قتل کرنے کی صرف تین صورتیں ہیں، یعنی وہ قصاص میں قتل کیا جائے، یا شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہو یا اس نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کھلے بندوں خلاف ورزی اور اہل اسلام کے خلاف جنگ و جدال کیا ہو۔

مذکورہ بالا روایت میں ''شادی شدہ کے قتل'' ......یعنی رجم...... کی بات بھی کہی گئی ہے اور فراہی فکر کے متبعین کا استدلال یہ ہے کہ رجم میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ اس کا زنا کا عادی ہونا کافی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرن اول سے لے کر ایک مثال بھی ایسی نہیں دے سکتے جس میں کسی غیر شادی شدہ فرد کو رجم کیا گیا ہو۔

آیاتِ لعان سے استدلال

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اپنے اس موقف کی تائید میں کہ محصن اور غیر محصن دونوں کی ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے سو (۱۰۰) کوڑے۔ سورۂ نور کی آٹھویں آیت لعان سے ٹھیک اسی طرح استدلال کیا ہے۔ جس طرح علامہ حمید الدین فراہی نے اپنی غیر مطبوعہ تفسیر یعنی ''حواشی الفراہی علی القرآن المجید'' میں سورۂ نور کے تحت کیا ہے۔ علامہ فراہی نے زور دے کر لکھا ہے کہ سورۂ نور کی آٹھویں آیت میں '' وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ '' میں جس عذاب کا تذکرہ ہے، ضروری ہے کہ علی الاطلاق وہ محصن اور غیر محصن ہر طرح

کے زانی کے لیے عام ہو۔[1]

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اگرچہ آیت لعان کو نقل کرنے کے بعد اس سلسلے میں مختلف فقہاء کے موقف علیحدہ علیحدہ بیان کردیئے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہیں کہ اَلْعَذَابُ سے مراد کوئی ایسی سزا ہو سکتی ہے جو لفظوں میں مذکور نہ ہو اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ۔ جیسے قید میں ڈالنا، اسی طرح کی کوئی اور سزا۔ بلکہ وہ یقین کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا ہے، کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یہاں عذاب سے مراد ''حدزنا'' ہی ہے۔ اور چونکہ آیتِ لعان میں شادی شدہ عورتوں کا مسئلہ ہی مذکور ہے، غیر شادی شدہ کا نہیں۔ لہٰذا حدِ زنا کے سلسلے میں ان کے خیال کے مطابق قرآن نے کوئی تفریق نہیں کی اور محصن و غیر محصن دونوں کے لیے ایک ہی سزا رکھی ہے اور وہ ہے سو ۱۰۰ کوڑے۔ اس لیے اس آیت سے بھی زنا کی سزا بلا تفریق محصن کے لیے رجم کے بجائے سو ۱۰۰ کوڑے ہی ثابت ہوتی ہے۔

عنایت اللہ سبحانی صاحب کے اس موقف پر اظہار خیال کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سورۂ نور کی آیت نمبر ۸ یعنی ''آیتِ لعان'' نقل کردی جائے تاکہ الفاظ قرآن کی روشنی میں اس سلسلہ کلام کو آگے بڑھایا جاسکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝﴾ [سورة النور: ۸، ۹]

''اور اس عورت سے سزا کو ٹال دے گی یہ بات کہ وہ چار بار شہادت دے اللہ کے حوالہ سے کہ بلاشبہ وہ شخص جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے:

[1] ''حواشی الفراہی علی القرآن المجید'' سورۃ النور (غیر مطبوعہ) بحوالہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ ص: ۸۰ (مارچ ۱۹۹۴ء)

اللہ کا غضب ہو اس پر اگر وہ شخص سچوں میں سے ہے۔''

قرآن فہمی کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ کسی بھی آیت کا صحیح مفہوم اور منشاء سمجھنے کے لیے اس آیت کا شانِ نزول اور پس منظر معلوم کر لیا جائے۔ اس اصول کی روشنی میں جب ہم مذکورہ بالا آیت لعان پر غور کرتے ہیں تو صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ یہ سورۂ نور کی آٹھویں آیت ہے۔ اس سے پہلے آیت نمبر۴ اور نمبر۵ میں قذف کے احکام کا ذکر ہے اور آیت نمبر دو اور تین میں علی الترتیب زنا غیر محصن کی سزا کے احکام اور زانی کے مومنین سے نکاح کی حرمت کا تذکرہ ہے۔ سورۂ نور کی ابتداء ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝١﴾ [النور: ۱]

''یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں شاید کہ تم سبق لو۔''

سورۂ نور کے یہ ابتدائی اور تمہیدی فقرے اور اندازِ بیان اس حقیقت کی نشاندہی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کے احکام کتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اس آیت میں فَرَضْنَاهَا کے لفظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سورۃ میں جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ محض ''سفارشات'' نہیں ہیں کہ جس کا جی چاہے مانے اور عمل کرے اور جس کا جی چاہے تو نہ مانے۔ بلکہ یہ احکام ''فرض'' کی نوعیت کے ہیں، جن کا عمل کرنا ہے مومن و مسلم کے لیے قطعی ضروری اور لازمی ہے...... تیسرے فقرے میں بتایا گیا ہے کہ اس سورۃ میں جو احکام و ہدایات دی جا رہی ہیں وہ صاف صاف اور بالکل واضح ہیں۔ ان ہدایات میں تشکیک و ابہام کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں تم یہ عذر نہیں کر سکتے کہ فلاں بات گنجلک اور پیچیدہ ہے اور ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیے ہم عمل کیسے کریں...... اس آیت میں ﴿ أَنزَلْنَاهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ﴾ ''یعنی ہم نے صاف صاف

ہدایات نازل کی ہیں۔'' کے الفاظ کی موجودگی کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ آیت نمبر آٹھ میں " العذاب " کا مفہوم واضح نہیں ہے اور سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ کے قرائن کے مطابق یہاں بھی حدزنا کا مفہوم سو کوڑے مراد ہوگا، اگر تکذیب نہیں تو آخر اسے ''قرآن فہمی'' کے کس زمرے میں شمار کریں گے......اس لیے حق شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے بیان کی تکذیب کا گناہ سر پر لینے اور العذاب کی من مانی تاویل کرنے کی بجائے مذکورہ بالا قرآنی وضاحت کی روشنی میں آیئے اس کی حقیقت پر غور کریں۔

سورۂ نور اس وقت نازل ہوئی جب واقعہ افک سے مدینہ کے معاشرے میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں مسلم معاشرے میں برائیوں کے نفوذ کو روکنے اور اس کے اثرات بد کے پھیلاؤ سے محفوظ کرنے اور اس کے مکمل تدارک و استیصال کے لیے اس سورۃ میں جو اخلاقی اور معاشرتی قوانین اور احکام و ہدایات نازل کی گئیں، ان کی ترتیب حسب ذیل ہے:

۱۔ سب سے پہلے فعل زنا کو جو اس سے قبل ایک معاشرتی جرم قرار دیا جا چکا تھا اور اسی اعتبار سے سورۂ نساء کی آیت نمبر پندرہ و سولہ (۱۶،۱۵) میں ہدایات و احکام آئے تھے، اسے اب ''فوجداری جرم'' قرار دے کر اس کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے مقرر کی گئی۔

۲۔ پھر اہل ایمان کو زنا کار مردوں اور عورتوں سے رشتہ مناکحت جوڑنے سے منع کیا گیا اور اس قسم کے افراد سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دے دیا گیا۔

۳۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ جو شخص دوسرے پر زنا کا الزام لگائے اور اس سورۃ میں نازل شدہ قانونِ شہادتِ زنا کے مطابق چار گواہ پیش نہ کر سکے۔ اس کے لیے ''حدّ قذف'' اسی ۸۰ کوڑے مقرر کی گئی۔

۴۔ حدّ قذف کے قانون کے اجراء کے بعد جب ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ کی بیوی کا واقعہ پیش آیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے اس کے لیے ''لعان'' کا قاعدہ مقرر کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ سورۂ نور کی آیت نمبر چار کے الفاظ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔'' سے مراد ہر قسم کی تہمت نہیں بلکہ مخصوص طور پر زنا کا الزام ہے اور الزام لگانے والوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش کریں۔ جو پورے اسلامی قانون میں صرف زنا کے لیے ہی ضروری شرط اور نصاب شہادت ہے۔ اور اسی مطالبہ کی بنا پر اجماعی طور پر علماء اُمت نے الزام زنا کو ''قذف'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی متعینہ قرآنی سزا اسی (۸۰) کوڑوں کو حد میں شمار کیا گیا ہے۔

سورۂ نور کی آٹھویں آیت یعنی ''آیتِ لعان'' حد قذف کی آیات کے کچھ مدت کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اسلامی قانون کے مطابق ''لعان'' وہ طریقہ تصفیہ ہے جو کسی شوہر کے ''اپنی بیوی پر زنا کا الزام'' لگانے کی صورت میں اسلام نے مقرر کیا ہے۔ احناف کے نزدیک قذف کے قانون اور لعان کے قانون میں فرق صرف اس قدر ہے کہ غیر آدمی اگر کسی عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس کے لیے حد قذف اسی ۸۰ کوڑے ہے اور اگر خود شوہر ہی اپنی بیوی پر الزام زنا لگانے کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ لعان کر کے اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا سے چھوٹ سکتا ہے۔ باقی تمام حیثیتوں میں لعان اور قذف تقریباً ایک ہی چیز ہے۔ اور واضح رہے کہ آیات لعان کے الفاظ آیت قذف کے الفاظ سے مختلف ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ حکم ہیں۔ مثال کے طور پر آیت قذف کے مطابق حد قذف کا مستحق وہ شخص ہے جو ''پاک دامن عورتوں'' (یعنی قرآن کے الفاظ میں محصنات) پر زنا کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن آیت لعان میں پاکدامن بیوی کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ اگر کسی عورت کی زندگی ماضی میں داغدار رہی ہو اور وہ توبہ کر کے کسی شخص سے نکاح کر لیتی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کو اس کے سابقہ کردار کی بنا پر اس پر تہمت لگانے کی کھلی چھوٹ آیت لعان سے نہیں مل جاتی۔ لعان کا قانون نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ جوڑوں کو اس پیچیدگی سے نکلنے کی سبیل پیدا فرمائی ہے۔ جس سے شوہر کے جھوٹے الزام یا اولاد کے نسب سے بے جا انکار کی بدولت ایک بیوی کو یا بیوی کی حقیقی بدکاری یا ناجائز حمل کی صورت میں ایک شوہر کو شدید ذہنی کوفت اور معاشرتی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ اگرچہ قرآن نے لعان کے وقت کھائی جانے

والی قسموں کو ''شہادت'' بتایا ہے، تاہم خود قرآن بھی ان قسموں کو لفظ شہادت سے تعبیر کرنے کے باوجود ''شہادتِ زنا'' قرار نہیں دیتا۔ ورنہ عورت کو چار کی بجائے آٹھ قسمیں کھانے کا حکم دیتا۔ کیونکہ شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر مانی گئی ہے۔

جہاں تک آیت لعان میں ﴿ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ ﴾ کے الفاظ میں اَلْعَذَابُ سے مراد زنا کی سزا کے نفاذ کی بات ہے۔ تو اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ زنا کی سزا کے نفاذ کے لیے قرآن نے صاف الفاظ میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے محض ایک شخص کی چار قسمیں کھالینا اس بات کے لیے تو کافی ہے کہ وہ قذف کی سزا سے بچ جائے اور عورت پر لعان کے احکام جاری ہوسکیں، مگر اس کی یہ چار قسمیں عورت پر زنا کا الزام ثابت کرنے کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتیں۔ زنا کے الزام کے ثبوت کے لیے بہر صورت چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔ عورت کا جوابی قسمیں کھانا انکار شبہ ضرور پیدا کرتا ہے، بلکہ صحیح معنی میں بڑا قوی شبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس پر حد جاری نہیں کی جاسکتی، کیونکہ شریعت کے قانون کے مطابق شبہات پر حدود کا اجراء نہیں ہوتا۔ جہاں تک مرد پر حد قذف کی بات ہے تو اس کا قذف تو ثابت ہی ہے اور اسی لیے تو اس کو لعان پر مجبور کیا جاتا ہے۔ عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ اس پر زنا کا الزام ثابت کرنے کے لیے اس کے اپنے اقرار یا چار عینی شہادتوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے '' العذاب '' کا یہ مطلب نکالنا کہ اگر وہ لعان نہیں کرے گی تو اس پر حد زنا لازمی طور پر جاری ہوگی محض غلط فہمی ہے۔ خلاصہ بحث یہ نکلا کہ آیت لعان میں ''العذاب'' سے مراد کسی طرح بھی زنا کی سزا...... رجم یا ۱۰۰ کوڑے...... نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا صاف مطلب عورت کی خاندان اور سماج میں ایک بدکار عورت کی حیثیت سے بدنامی اور رسوائی کا مستقل عذاب ہے۔ اگر وہ آیت لعان کی شرائط کے مطابق چار قسمیں کھا کر خود کو سچا اور اس گھناؤنے الزام سے بری الذمہ ثابت نہ کرسکی تو بدنامی کا یہ عذاب زندگی بھر اس کے لیے سوہانِ روح بنا رہے گا۔ (هٰذَا مَا عِنْدِیْ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ)

اس کے علاوہ آیت کے الفاظ ﴿ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ ﴾ سے خود بخود یہ بات

مترشح ہوتی ہے کہ شوہر کے اپنی بیوی پر الزام لگانے کے بعد اگر بیوی اس الزام کی صفائی میں چار بار قسم کھانے اور پانچویں بار شوہر کو جھٹلانے کے لیے الفاظِ لعان ادا کرنے سے گریز کرتی ہے تو بلاشبہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ شوہر کے لگائے ہوئے الزام زنا کی بالواسطہ تصدیق کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مگر شرائط لعان سے گریز کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس نے واضح طور پر اپنی زبان سے زنا کا اقرار کرلیا ہے۔ واضح رہے کہ شریعت اپنے اصول کے مطابق حد زنا کے نفاذ کے لیے چار گواہوں کی لازمی شرط کو نظر انداز کر کے صرف شوہر کی اکیلی گواہی پر عورت کے اوپر حد زنا کا نفاذ نہیں کرتی۔ اسی طرح بیوی کا اپنی صفائی میں شہادتِ لعان سے گریز اس بات کا قوی ''شبہ'' پیدا کرتا ہے کہ شوہر کا الزام درست ہے اور بیوی خطا کار ہے، مگر صرف شبہ کی بنیاد پر حد جاری کرنا شریعت کے اصول کے خلاف ہے اس لیے بلاشبہ ﴿ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ ﴾ کے الفاظ میں ''عذاب'' سے مراد حد زنا نہیں ہوسکتی۔ عنایت اللہ سبحانی صاحب یا فراہی فکر کے دیگر متبعین کا اس بات پر اصرار کرنا اور اسے اپنے دعویٰ کی بنیاد بتانا درست نہیں ہے۔

مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب کو اصرار ہے کہ سورۂ نور کی آیت نمبر آٹھ میں "العذاب" کو مطلق مانا جائے۔ حالانکہ اسی لام عہد کو تعمیم اور رسوائی عام کا اشاریہ سمجھا جائے یا اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع قرار دے دیا جائے اور "العذاب" کو آپ ﷺ کی بیان کردہ یا تجویز کردہ سزا یا عذاب مراد لیا جائے، تو اس میں کون سی قباحت لازم آئے گی؟ سورۂ نساء کی آیت کریمہ ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ﴾ میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مقرر کردہ نماز کے اوقات کو اگر عین اللہ کے مقرر کردہ اوقات قرار دیا جاسکتا ہے اور ﴿ فَاذْكُرُوْهُ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرہ: ۲۳۹] کے فرمانِ الٰہی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم عین اللہ کی تعلیم قرار دی جاسکتی ہے۔[1] تو پھر آخر سورۂ نور میں "العذاب" کے کنایہ کو بھی رسول اللہ ﷺ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر ''تدبر قرآن'' مولانا امین احسن اصلاحی ج:۲، ص:۱۴۵ (مطبوعہ انجمن خدام القرآن لاہور بار اوّل ۱۹۷۱ء، ۱۳۹۱ھ)

کی بتائی ہوئی لعان کی سزا تسلیم کرنے میں کون سی قیامت آ جائے گی؟؟

رجم محصن کے مآخذ

اسلامی قانون کے مطابق فعل زنا خواہ بالجبر ہو یا لتراضی، ہر صورت میں ایک جرم مستلزم سزا ہے اور شادی شدہ ہوکر اس جرم میں ملوث ہونا شریعت کے نزدیک جرم کی شدّت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ مجرم نے کسی سے ''عہد شکنی'' کی بلکہ کسی دوسرے کے بستر پر دست درازی بھی کر ڈالی۔ حالانکہ اس کے لیے اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے واسطے بیوی کی صورت میں ایک جائز ذریعہ موجود تھا۔ (پھر یہ کہ شریعت نے ایک ہی وقت میں چار تک بیویاں رکھنے میں جو اجازت دی ہے تو کیا اس حلال ذریعہ سے ایسے درندہ صفت انسان کی ہوس اور خواہشات نفسانیہ کا علاج نہیں ہو پاتا جو دوسری کھیتیوں میں وہ منہ مارتا پھر رہا ہو؟)

زنا کے جرم کا ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد زانی اور زانیہ کو دی جانے والی سزا کی نوعیت کے بارے میں فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے:

①......شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا

امام احمد، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک پہلے (۱۰۰) سو کوڑے لگانا، اس کے بعد رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں فقہاء کے علاوہ باقی تمام فقہائے اُمت اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی سزا صرف رجم ہے۔ رجم اور سزائے تازیانہ کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

②......غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا

امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری اور سفیان ثوری کے علاوہ ابن ابی لیلیٰ اور حسن بن صالح رحمہم اللہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے مجرموں کو (۱۰۰) سو کوڑے لگانے کے بعد ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ حکم وہ مرد اور عورت دونوں پر لگاتے ہیں۔

امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک مرد کے لیے ۱۰۰ سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور عورت کے لیے صرف (۱۰۰) سو کوڑے سزا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کا موقف یہ ہے کہ ایسی صورت میں حدِ زنا عورت و مرد کے لیے صرف ۱۰۰ سو کوڑے ہے۔ اس پر کسی اور سزا یعنی قید یا جلاوطنی کا اضافہ نہیں، بلکہ تعزیر ہے۔ ان تمام فقہاء نے اپنی آراء اور مذکورہ بالا اپنے اپنے موقف کی تائید میں صحیح احادیث کو ہی دلیل بنایا ہے۔

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے سورۂ نساء کی پندرھویں آیت نقل کرنے کے بعد اس کے ایک ٹکڑے ﴿ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴾ کا مفہوم تلاش کرنے کے لیے صحیح احادیث اور اجماع امت کو چھوڑ کر جس طرح در در کی خاک چھانی ہے، وہ انہیں حاطب اللیل کے زمرے میں شمار کرنے کے لیے کافی ہے...... کاش! وہ امام زمخشری اور علامہ رشید رضا مصری اور دیگر قریب و بعید کے مفسرین کی آراء میں سر کھپانے کے بجائے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی اس روایت پر سنجیدگی سے غور و فکر فرما لیتے جسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ سب نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُذُوا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا۔ اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ نَفْيُ سَنَةٍ (تَغْرِيبُ عَامٍ) وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ))[1]

”مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ نے زانیہ عورتوں کے لیے طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد کے غیر شادی شدہ عورت سے زنا کی صورت میں سو (۱۰۰) کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ مرد کے شادی شدہ عورت سے زنا کرنے پر سو (۱۰۰) کوڑے اور رجم ہے۔ (یعنی پتھروں سے مارنا یا پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا۔)

یہ حدیث اپنی اسناد کے اعتبار سے ”صحیح احادیث“ میں شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا سورۂ نساء

---

[1] صحیح مسلم/ کتاب الحدود / باب حد الزنا، حدیث : ٤٤١٤۔ وسنن ابی داؤد/ح: ٤٤١٥

کی آیت نمبر پندرہ کے ٹکڑے ﴿ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴾ کا صحیح مفہوم وہی مانا جائے گا جو صاحب قرآن ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر " الدر المنثور " میں مذکورہ بالا آیت کا مفہوم حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ سورۂ نساء کی آیت کے نزول کے بعد زنا کرنے والی عورتوں کو قید میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں اس سلسلے کے احکام نازل فرما کر ان کے لیے راہ پیدا کر دی۔ پس سنت یہ قرار پائی کہ جو زانی محصن یعنی شادی شدہ ہوں، انہیں پتھروں سے رجم کیا جائے اور جو کنوارے یعنی غیر محصن ہوں ان کے لیے سو (۱۰۰) کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی بطور تعزیز رکھی گئی ہے۔ [1]

اگرچہ یہ بات بھی درست ہے کہ امام سیوطی نے حضرت قتادہ رحمہما اللہ کا بتایا ہوا مذکورہ آیت کا مفہوم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ "حسب عادت" اس ضمن میں حضرت مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ وہ مفہوم بھی تحریر کر دیا ہے جو اس بیان سے قدرے مختلف ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے مطابق سورۂ نساء کی آیت پندرہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ابتداء میں زانیہ عورت کو قید کی سزا دی جاتی تھی۔ اس حالت میں خواہ اس کی موت ہو جائے یا زندہ رہے۔ قید سے رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیت نازل فرما کر حسب وعدہ ان کے لیے ایک راہ پیدا فرما دی۔ اب اگر کوئی اس طرح کی حرکت کرتا تو اس کو سو کوڑے لگا کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لیکن اس روایت کی موجودگی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دیگر احادیث صحیحہ کے مطابق رجم محصن کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی نظیریں، خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ تاہم ان دونوں بزرگوں کے اقوال کو جھٹلانے کی بجائے ان کی تشریح کی جائے گی۔ حضرت مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کے الفاظ ((فَمَنْ عَمِلَ شَيْئًا جُلِدَ وَأُرْسِلَ)) کے ہیں۔ اور أُرْسِلَ کے معنی بھیجنے اور پیغام پہنچانے کے بھی ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں یہ مفہوم بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ سورۂ نور کی آیات کے نزول کے فوراً بعد شروع میں کچھ

[1] " الدر المنثور " علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج:۲، ص:۴۵۶

عرصہ تک یہی قاعدہ قانون رہا ہو کہ زنا کرنے والوں کو محصن اور غیر محصن کا امتیاز کیے بغیر، صرف کوڑے لگا کر شہر سے باہر جلاوطن کر دیا جاتا ہو۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمانِ مبارک کے ذریعہ زانی محصن اور غیر محصن کی سزا میں تفریق فرمادی تو اس کے بعد سے سنت رسول کے مطابق عمل ہونے لگا۔ ہماری اس بات کی تائید ابوداؤد اور مشکوٰۃ کی ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے، جس میں زنا محصن یعنی شادی شدہ شخص کے فعل زنا پر حضور ﷺ کے سزا دینے کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، قَالَ اِنَّ رَجُلًا زَنَا بِالْمَرْأَةِ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ اُخْبِرَ اَنَّهٗ مُحْصِنٌ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ))[1]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو آپ ﷺ نے اس پر کوڑوں کی حد جاری فرمادی۔ پھر آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ شادی شدہ ہے تو اس کے رجم کا حکم دے دیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ''کتاب الحدود'' کے تحت رجم کے سلسلے میں جتنے بھی باب قائم کیے ہیں ان سب میں ''احصان'' یعنی شادی شدہ کی قید لگائی ہے۔ بطور ثبوت ''کتاب الحدود'' کے باب ۲۱، باب ۲۹ اور باب ۳۱ کی احادیث کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

((اَجْمَعَ الصَّحَابَةُ وَاَئِمَّةُ الْاَمْصَارِ عَلٰى اَنَّ الْمُحْصِنَ اِذَا زَنٰى عَامِدًا عَالِمًا مُخْتَارًا فَعَلَيْهِ الرَّجْمُ))[2]

''اس بات پر تمام صحابہ کرام اور ممالک اسلامیہ کے آئمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر شادی شدہ جانتے بوجھتے، قصداً اپنے ارادے سے زنا کرے گا تو

---

[1] ابو داؤد / کتاب الحدود / باب رجم ماعز بن مالك، ح: ٤٤٣٨

[2] فتح الباری ج، ١٢، ص: ١١٨

اس کو رجم کی سزا دی جائے گی۔"

منکرین رجم اپنے زعم باطل کے لیے کتاب وسنت اور اسوۂ نبوی ﷺ سے ایک بھی دلیل اپنے موقف کی حمایت میں نہیں لا سکتے، کیونکہ محصن کو رجم کرنے کی سزا فقہاء کی تجویز کردہ نہیں ہے، بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو تجویز فرمایا اور اپنے سامنے اس پر عمل کرایا ہے۔ شادی شدہ کے فعل زنا پر رجم کی سزا کی تائید میں اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری کی وہ روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے، جس میں امام رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کا ذکر کیا ہے، جو انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایک بھرے مجمع میں دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةُ الرَّجْمِ فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ آيَةَ الرَّجْمِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ))[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے اور ان پر قرآن نازل کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ان میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے رجم کی آیت کو پڑھا، سمجھا اور یاد رکھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے زنا کار کو رجم کیا ہے اور ہم نے ان کے بعد رجم کی سزا پر عمل کیا ہے، پس مجھے اندیشہ ہے کہ بہت دن گذرنے کے بعد کوئی شخص کہنے لگے گا کہ خدا کی قسم! کتاب اللہ میں ہم کو آیت رجم نہیں ملتی۔ چنانچہ لوگ اللہ کے نازل کردہ ایک فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے، حالانکہ رجم کا حکم کتاب اللہ

[1] صحیح بخاری/ کتاب الحدود/ باب رَجْمِ الْحُبْلَى فِي الزِّنَا إِذَا أَحْصَنَتْ، ح: ۶۸۳۰

میں موجود ہے، ہر اس مرد اور عورت کے لیے جس نے شادی کے بعد زنا کیا ہو۔ جب اس پر گواہ ہوں یا حمل ٹھہر جائے یا وہ زنا کا اقرار کرے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجمع میں دیا تھا۔ ایک کثیر تعداد نے اس کو سنا اور لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ یہ باتیں لوگوں تک پہنچانے کی تاکید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں کی تھی اور یہ حکم دیا تھا کہ جہاں تک کسی کی سواری جائے یہ باتیں وہاں تک پہنچادی جائیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی یہی روایت اپنی ''صحیح مسلم'' میں " کتاب الحدود " باب رجم الثیب فی الزنا کے تحت بیان کی ہے۔ (ملاحظہ ہو حدیث نمبر: ۱۶۹۱) بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اس مشہور روایت کو اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے اور اسی روایت سے سب نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا اسلام میں رجم ہی ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ دیگر محدثین سے قطع نظر صرف بخاری و مسلم کا کسی روایت پر متفق ہو جانا ہی اصولی طور پر ایک مخلص اور سچے مسلمان کے لیے قیل و قال کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اس مسئلہ پر چودہ سو (۱۴۰۰) سال سے اُمت کا اجماع و اتفاق بھی ہو۔ ایسی صورت میں سزائے رجمِ محصن کے بارے میں تشکیک و انکار کی کھلی روش اختیار کرنا اگر خوارج کی ہمنوائی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟؟

بلاشبہ قرآن کریم اور سنت نبوی میں اجراء حدود میں سنگین سزائیں معاشرے کی اصلاح و تطہیر کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ رجم کی سزا بھی ان سنگین سزاؤں میں سے ایک ہے جو شادی شدہ افراد کو ارتکاب زنا پر دی جاتی ہے۔ جو لوگ زانی محصن پر اس سزا کی سنگینی کا احساس کر کے لرز اٹھتے ہیں اور اس سزا کا رشتہ صرف محاربین اسلام اور باغیوں سے جوڑنے پر مصر ہیں، وہی لوگ اگر اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ لیں تو یقیناً اگر وہ غیرت مند ہیں تو اپنی بیوی اور اس کے آشنا دونوں کو فوری طور پر موت کی گھاٹ اتارنے میں ذرا سا بھی تامل اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے۔ تعجب ہے کہ جب شریعت ایک شادی شدہ زانی مرد یا زانی عورت کو یہی سزا۔ یعنی سزائے

رجم...... پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا...... تجویز کرتی ہے تو پھر یہی لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اس مسئلہ پر اسوۂ نبوی ﷺ، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع امت پر تشکیک اور عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر ان لوگوں میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہے تو انہیں اس پر بھی نظر کرنی چاہیے کہ جس فعل پر سزائے رجم مقرر کی گئی ہے وہ کس قدر گھناؤنا اور انسانیت سوز ہے۔ فعل زنا خود ایک بڑا جرم ہونے کے علاوہ بہت سے جرائم کا مجموعہ بھی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ خاندانی سلسلے کا نام ونشان باقی نہیں رہتا بلکہ نسل بھی ضائع چلی جاتی ہے۔ کوئی شخص کسی بچہ کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یتیم خانوں میں ان بچوں کی پرورش ہو جانے کے بعد ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے ماں باپ کون ہیں؟ ماں باپ کی شفقتوں سے محروم ایسے بچے ذہنی طور پر آوارہ اور اکثر بڑے ہو کر جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔ جس سوسائٹی میں زنا عام ہو جائے اس سوسائٹی میں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں، بہن، بیٹی کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ عورت اپنی عفت وعصمت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسلام نے تمام جرائم میں فحش تر جرم زنا کو قرار دیا ہے اور اس کی سزا بھی انتہائی سخت مقرر فرمائی ہے۔ یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے سو (۱۰۰) کوڑے، جو برسرِ عام لگائے جائیں گے۔ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں گے تو اسلام نے ان کے لیے رجم یعنی سنگساری کی سزا مقرر کی ہے۔ یہ سزا رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

خوارج اور معتزلہ کے اتباع میں جو لوگ زانی محصن کے لیے رجم کی سزا سے انکار کرتے ہیں اور انہیں کی طرح اس حکم کو ''قرآن کے خلاف'' قرار دیتے ہیں، وہ فہم قرآن سے قطعی نابلد ہیں۔ بھلے ہی انہوں نے قرآنی علوم میں ایم، اے اور پی، ایچ، ڈی کی مروجہ ڈگریاں حاصل کیوں نہ کر رکھی ہوں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خوارج اور معتزلہ بھی یہی کہتے تھے کہ قرآن ﴿ اَلزَّانِيْ وَالزَّانِيَةُ ﴾ کے مطلق الفاظ استعمال کر کے اس کی سزا صرف سو (۱۰۰) کوڑے بیان کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رُو سے ہر قسم کے زانی اور زانیہ کی صرف یہ سزا ہے اور زانی محصن کو اس سزا سے الگ کر کے کوئی اور سزا (یعنی

رجم) تجویز کرنا قرآن کی خلاف ورزی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

خوارج اور معتزلہ کا قصور اس کے علاوہ اور کیا تھا کہ انہوں نے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتے ہوئے، ان سے صرفِ نظر کر کے قرآن کے معانی و مطالب کو خود سمجھنے اور ان کا مفہوم اپنی عقل سے متعین کرنے کی کوشش کی۔ خواہ وہ تحکیم کے سلسلے میں قرآنی آیت ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ کا معاملہ ہو یا رجم کے بارے میں قرآنی آیت کا منشاء اور مفہوم کی تشریح و تبیین کا واقعہ۔ جس طرح آیت تحکیم کے سلسلے میں ان کا خود ساختہ استدلال غلط تھا اور وہ اسی بنا پر وہ امت مسلمہ سے خارج کیے گئے، ٹھیک اسی طرح رجم کے بارے میں بھی ان کے خیالات زیغ و ضلال پر مبنی ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ قانونی اعتبار سے اپنا جو وزن رکھتے ہیں، وہی قانونی حیثیت اور وزن اس تشریح کا بھی ہے جو ان قرآنی الفاظ کی رسول اللہ ﷺ نے کی ہو۔ بشرطیکہ صحیح احادیث سے وہ آپ ﷺ سے ثابت ہو..... قرآن نے جس طرح سورۂ نور میں اَلزَّانِيُ وَالزَّانِيَةُ کے مطلق الفاظ میں حد زنا کے احکام دیئے ہیں، ٹھیک اسی طرح مطلق الفاظ میں السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ کی آیت میں بھی قطع ید کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس حکم کو اگر رسول اللہ ﷺ کی ان تشریحات سے مقید نہ کیا جائے جو صحیح احادیث کے ذریعہ آپ ﷺ سے ثابت ہیں تو ان الفاظ کی عمومیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ایک چھوٹی سی سوئی یا ایک بیر کی چوری پر بھی آپ آدمی کو سارق قرار دے کر قرآنی حکم کے مطابق اسے پکڑنے کے بعد شانے سے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اسی طرح چور کے سلسلے میں قرآن کے الفاظ:

﴿ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ﴾ [1] کے ظاہری مفہوم کے مطابق لاکھوں کی چوری کرنے والا بھی اگر گرفتار ہوتے ہی کہہ دے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں نے اپنے نفس کی اصلاح کر لی ہے تو آپ کو اسے چھوڑ دینا ہوگا۔ قرآن سے اس طرح کی اور بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں، جیسے قرآن عام لفظوں میں حکم دیتا ہے:

---

[1] ترجمہ:..... ''اور جو شخص (چوری جیسے کبیرہ) گناہ سے توبہ کر لے اور اپنی اصلاح بھی، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔''

[2] المائدہ: ۳۹

﴿ وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾ ''آپس میں خرید و فروخت کرتے وقت گواہ بناؤ۔''
ایسی صورت میں ہماری دو کانوں پر بغیر گواہی کے جو دن رات خرید و فروخت ہو رہی ہے اسے ناجائز ہونا چاہیے۔ یا قرآن صرف اس وقت رہن کی اجازت دیتا ہے جب آدمی سفر میں ہو اور قرض کی دستاویز لکھنے والا کاتب میسر نہ ہو۔ حضر میں اور کاتب کے قابلِ حصول ہونے کی صورت میں رہن کا جواز قرآن کے خلاف ہونا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا جو لوگ سزائے رجم کو قرآن کے مطلق الفاظ سے مقید کر کے انکار کی روش اختیار کرتے ہیں، ان مثالوں سے ان لوگوں کے استدلال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ نظام شریعت میں نبی ﷺ کا یہ منصب ناقابل انکار ہے کہ وہ خدا کا حکم پہنچانے کے بعد ہمیں بتائے کہ اس حکم کا منشاء کیا ہے؟ اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن معاملات پر اس کا اطلاق ہوگا اور کن معاملات کے لیے دوسرا حکم ہے؟ اس منصب کا انکار صرف اصولِ دین ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس سے اتنی قباحتیں لازم آتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔[1]

علامہ حمید الدین فراہی جو ''رجم محصن'' کو خلاف قرآن بتانے اور اس ''سنت ثابتہ'' پر حرف و نکیر کرنے والوں کے سرخیل اور مقتدی و پیشوا ہیں۔ وہ بھی اپنی کتاب ''احکام الاصول باحکام الرسول'' میں سنت کی مختلف قسموں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی ایک قسم کو شریعت کا ایک مستقل ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ فراہی رقمطراز ہیں:

((اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ مَا لَا نَجِدُهُ فِي الْكِتَابِ وَلٰكِنَّ الزِّيَادَةَ مُحْتَمِلَةٌ فَجَعَلْنَا السُّنَّةَ فِيهِ اَصْلًا مُسْتَقِلًّا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمَرَنَا عُمُوْمًا بِاطَاعَةِ الرَّسُوْلِ وَاَمَرَ الرَّسُوْلَ بِالْحُكْمِ بِمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ تَعَالٰى سَوَاءٌ كَانَ بِالْكِتَابِ اَوْ بِالنُّوْرِ وَالْحِكْمَةِ الَّتِيْ مَلَأَ اللّٰهُ بِهَا قَلْبَهُ))[2]

---

[1] دیکھیے: تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی ج:۳، ص:۳۲۷ تفسیر سورۂ نور (مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)
[2] ''احکام الاصول باحکام الرسول'' علامہ حمید الدین فراہی
مندرجہ ''الفراهي وآثره في التفسير'' (مقالہ پی ایچ ڈی) از ڈاکٹر معین الدین الاعظمی بحوالہ: سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ مارچ ۹۴ء ص:۸۵، ۸۴

"تیسری قسم وہ ہے جسے ہم کتاب اللہ میں نہیں پاتے، لیکن اس زیادتی کا وہ پوری طرح تحمل کر سکتی ہے تو اس معاملہ میں ہم نے سنت کو ایک مستقل اصل مانا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو علی الاطلاق رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے اور رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے اس چیز کا حکم کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں کہ وہ اس کی کتاب کے ذریعہ ہو یا اس نور اور حکمت کے ذریعہ کہ جس سے اس نے اس کے سینے کو بھر رکھا ہے۔"

علامہ فراہی کے اس واضح اعتراف کے بعد ان کے فکر کو متعین کرنے والے کے پاس کہنے کے لیے اور کیا باقی رہ جاتا ہے.........؟؟

فصل سوم

حدِّ رجم......واقعات کی روشنی میں

عہدِ رسالت میں جن لوگوں کو زنا کے جرم میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رجم کی سزا دی گئی، ان میں ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کے واقعات رجم ایسے ہیں جن کی تفصیل ہمیں کتب احادیث میں ملتی ہے۔ بعد کے دور میں فقہاء اسلام نے انہی دونوں افراد کے واقعاتِ رجم کی روشنی میں نفاذِ حدود، خصوصاً حد زنا کے اصول اور فقہی جزئیات مرتب کی ہیں۔

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اپنی کتاب ''حقیقت رجم'' میں ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کے واقعاتِ رجم کی تفصیلات کو مختلف ٹکڑوں میں پھیلا کر جس طرح بیان کیا ہے اور ان واقعات کا اپنے طور پر ذہنی تجزیہ کر کے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ سارے مباحث ان کی کتاب کے اکتیس ۳۱ صفحات پر محیط ہیں۔ حالانکہ جو باتیں انہوں نے کہی ہیں اور جس انداز سے کہی ہیں اور جو کچھ نتائج اُن واقعات سے انہوں نے اخذ کیے ہیں ٹھیک وہی سب باتیں مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے دو صفحات میں یکجا طور پر بیان کر دی ہیں۔ دونوں کے انداز بیان میں بھی کوئی خاص فرق نہیں۔ اس لیے ہم اس موضوع پر بحث کو مختصر کرنے کے لیے حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ ان کی تفسیر سے نقل کرنے کے بعد اسی کی روشنی میں گفتگو کا آغاز کریں گے۔

تفسیر تدبّر قرآن کی عبارت

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی پوری عبارت ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے صفحات پر اس طرح ہے:

''نبی کریم ﷺ کے عہد میں رجم کا سب سے مشہور واقعہ ماعز اسلمی کے

رجم کا ہے۔ اس شخص کے بارے کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈہ تھا۔ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ چپکے سے دُبک کر بیٹھ جاتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو، بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا تعاقب کرتا ہے...... آنحضرت ﷺ کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہتی تھی، لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ نے کوئی اقدام نہیں کیا، بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آہی گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ جب یہ اقرار کرلیا تو آپ ﷺ نے اس کے رجم کا حکم دے دیا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

اس کے رجم کے بعد لوگوں کا عام تاثر جو روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ اس شخص کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ نے رجم کے بعد اس کے بارے میں لوگوں کو کف لسان کی ہدایت فرمائی۔

ہم یہاں چند روایات ان کے اصل الفاظ میں نقل کررہے تا کہ حسب ذیل

امور بالکل واضح ہو کر سامنے آ جائیں۔

ایک یہ کہ ماعز نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اپنے قبیلہ والوں کے اصرار پر حضور ﷺ کی خدمت میں اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہو جانے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائے گا۔ حضور ﷺ کو اس کے جرم کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اور اس نے آپ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرار جرم کیا۔

دوسرے اس کا کردار ایک نہایت بدخصلت گنڈے کا کردار تھا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔

تیسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی مغفرت کے لیے دعا نہیں کی نہ اس کا جنازہ پڑھا۔ جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کٹر منافق قرار دیا گیا۔

ماعز ابن مالک اسلمی کے بعد دوسرا بڑا واقعہ غامدیہ کا ہے جو قبیلہ غامد (قبیلہ جُہنیہ کی ایک شاخ) کی ایک عورت تھی۔ اس کے بارے میں روایات میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے نہ اس کے کردار کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہے، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شادی شدہ تھی۔ تھوڑی بہت جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان میں ماعز کے واقعہ ہی کی طرح بہت سے امور باہم متناقض ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے شروع میں اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ اپنے اقرار پر مصر رہی تو آپ نے فرمایا: اچھا نہیں مانتی تو جاؤ وضع حمل کے بعد آئیو۔ پھر وہ حمل سے فارغ ہو کر بچے کے ساتھ آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: جا! اب اس کو دودھ پلا، دودھ چھڑانے کے بعد آئیو۔ پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے بچے کو کھلا کر حضور ﷺ کو دکھایا تب آپ ﷺ نے اس کے

رجم کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے برعکس دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اقرار کیا تو آپ نے اس کو وضع حمل تک ایک انصاری کی نگرانی میں دے دیا۔ وضع حمل کے بعد اس نے اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اس حالت میں رجم نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے چھوٹے بچے کو دودھ پلانے والا بھی کوئی نہیں۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ رضاعت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اس کے بعد آپ نے بغیر کسی توقف کے اس کے رجم کا حکم دے دیا...... روایات کے مطالعہ سے بیان کا یہ تناقض ہی سامنے نہیں آتا، بلکہ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی، جس کا نہ کوئی شوہر تھا نہ سرپرست۔"

امین احسن اصلاحی صاحب کی یہ آزاد طویل عبارت جس میں انہوں نے بالکل سلمان رشدی جیسی زبان استعمال کی ہے۔ ان کا اتباع کرتے ہوئے جناب عنایت اللہ سبحانی نے بھی "حقیقتِ رجم" میں حضرت ماعز بن مالک اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں، خوف خدا سے بے نیاز ہو کر، ان صحابیوں کے بارے میں اسی طرح "غنڈہ، بدمعاش اور منافق" جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے مزعومہ نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو دریدہ ذہنی اور دریدہ قلمی دکھائی ہے وہ کسی عالم دین یا پڑھے لکھے فرد کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔ اس قسم کی بازاری زبان کو سامنے رکھ کر ہی شاید سلمان رشدی کو بھی صحابہ کرام اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں وہ گندی زبان اپنی کتاب "شیطانی آیات" میں استعمال کرنے کی جرأت ہوئی ہے جس کی مذمت ساری دنیا کے مسلمانوں نے کی ہے اور حکومتِ ایران نے تو اس ملعون کو قابلِ گردن زدنی قرار دے کر اس کی موت کا فتویٰ تک جاری کر دیا ہے۔

جناب امین احسن اصلاحی اور عنایت اللہ سبحانی دونوں نے حضرت ماعز اور غامدیہ رضی اللہ عنہما کو زنا کا "عادی مجرم" قرار دیتے ہوئے سزائے رجم کا سزاوار بتایا ہے۔

عنایت اللہ سبحانی نے تو حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو صحابی تسلیم کرنے سے ہی صاف انکار کر دیا ہے اور ان دونوں کو صحابیوں میں شمار کرنا شرف صحابیت کی توہین بتایا ہے۔ حالانکہ ہماری اور آپ کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی انسان ہی تھے اور ان سے بھی بہت سی انسانی غلطیوں کا صدور ہوا ہے۔ لیکن ان غلطیوں کو دوسرے عام انسانوں کی غلطیوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صحابہ کرام کو ان کے اخلاص، دیدار نبوی اور صحبت نبوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا پروانہ دے دیا ہے۔ ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی۔'' جو لوگ صحابہ کرام کی غلطیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے پروانہ رضا کا انکار کرتے ہیں، وہ اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال رہے ہیں، کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے کے یقین پر حرف آتا ہے۔ جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے صادر ہونے والی انسانی غلطیوں اور لغزشوں کا سوال ہے تو اس ضمن میں سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی لغزشوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَءَاخَرُونَ ٱعۡتَرَفُواْ بِذُنُوبِهِمۡ خَلَطُواْ عَمَلٗا صَٰلِحٗا وَءَاخَرَ سَيِّئًا عَسَى ٱللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيۡهِمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٌ ۝١٠٢﴾

[التوبة: ١٠٢]

''دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف اور ملے جلے عمل کیے، کچھ اچھے عمل کیے اور کچھ برے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی طرف اپنی رحمت سے متوجہ ہوگا۔ اللہ غفور ورحیم ہے۔''

جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب، جو علوم قرآن میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے ہیں اور سعودی عرب میں عرصہ دراز تک رہنے کے بعد انہیں کلام عرب پر عبور حاصل ہے۔ عربی ادب کا ذوق رکھتے ہیں۔ ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ﴾ کے قرآنی الفاظ کی معنویت کے بارے میں انہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کا انداز بیان '' ترجی فِی لُمَحْبُوبِ '' کے لیے آتا ہے۔ جناب ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہما نے اغوائے نفس کے نتیجہ میں زنا جیسا شدید جرم ضرور کیا تھا، مگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس جرم کی سنگین سزا بھگتنی ہوگی

خود ہی جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اعتراف گناہ کرلیا اور خود کو پاک کرنے کے لیے نفاذِ حدّ کی درخواست کی۔ اعترافِ گناہ کا یہ امتیاز کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ کسی اور طبقہ میں بھی اس کثرت سے پایا گیا ہے؟

ابوداؤد اور مسلم کی روایت کے مطابق جب غامدیہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رجم کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: کیا آپ ﷺ اس زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ہستی کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ کے ستر افراد پر اس کی توبہ تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے لیے کافی ہوگی۔ [1]

اسی طرح سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کر دیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے دو صحابیوں کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: ذرا دیکھو تو! اللہ نے تو اس پر پردہ ڈال دیا تھا، مگر اس کے نفس نے اسے نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ کتوں کی طرح وہ سنگسار کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کچھ دیر چلتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا ایک مرے ہوئے گدھے کے پاس سے گذر ہوا جس کے پیر بالکل اکڑ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں فلاں کہاں ہیں؟ وہ دونوں بولے: ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم دونوں سواری سے اترو اور اس مردار کا گوشت کھاؤ۔ ان لوگوں نے عرض کیا: اسے کون کھائے گا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: ابھی تم دونوں نے اپنے بھائی کی عزت پر جو حملہ کیا ہے وہ اس مردار کے کھانے سے زیادہ گھناؤنی بات ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس وقت وہ (ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ) جنت کی نہروں میں تیر رہا ہے۔ [2]

---

[1] ابو داؤد ج : ۱ ، ص : ۳۹۷ ، مسلم ج : ۲ ، کتاب الحدود

[2] سنن ابی داؤد کتاب الحدود روایت نمبر : ٤٤٢٨

اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے رجم کے بعد کچھ لوگوں نے انہیں برا بھلا کہا تو آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ))[1]

''اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پوری امت میں تقسیم کردی جائے تو سب کی مغفرت اس سے ہو جائے گی۔''

کسی قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تو ان کے اعترافِ گناہ کو ان کی مقبولیت کا سبب اور پروانہ مغفرت قرار دیں اور فراہی فکر کے دلدادہ عنایت اللہ سبحانی صاحب اور امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ''جدید مفکرین'' اپنے پندارِ علم سے انہیں غنڈہ اور منافق قرار دیں۔

بییں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا؟

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ روایات کے آئینہ میں

دورِ نبوی میں رجم کے جو واقعات پیش آئے ان میں سب سے مشہور واقعہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے رجم سے متعلق ہے۔ اس واقعہ کے سلسلے میں صحیح مسلم میں دو روایتیں آئی ہیں۔ عنایت اللہ سبحانی صاحب نے ''حقیقت رجم'' کے صفحہ (۱۶۴) اور (۱۶۵) پر درج کرتے ہوئے ان کو بنیاد بنا کر ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے کردار پر کیچڑ اچھالی ہے۔ ان میں سے پہلی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے سماک بن حرب رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور دوسری حدیث کے راوی مشہور صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں راویوں کے تغیر کے ساتھ ساتھ روایت کے الفاظ میں بھی کئی جگہ فرق پایا جاتا ہے۔ پہلی روایت میں ((أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِرَجُلٍ قَصِيرٍ)) کے الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ عنایت اللہ سبحانی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پستہ قد آدمی لایا گیا۔'' دوسری روایت میں ((ماعز بن

---

[1] صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۶۸، ۶۷۔ اصح المطابع

مالك اتى رسول الله ﷺ)) کے الفاظ آئے ہیں۔جس کا مطلب ہے کہ: ''ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود حاضر ہوئے۔'' پہلی روایت میں انہیں دو مرتبہ واپس لوٹائے جانے کا ذکر ہے اور دوسری روایت کے الفاظ میں کئی مرتبہ (مِرَارًا) واپس کیے جانے کا تذکرہ ہے۔اس کے علاوہ چونکہ ان دونوں روایتوں میں رسول اللہ ﷺ کے اس تہدیدی خطبہ کا بھی ذکر آیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے مدینہ کے پاکیزہ مسلم معاشرے میں بے راہ روی کو فروغ دینے والے عناصر کو قرآن مجید کی سورۂ نور میں دی گئی ہدایت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے مطابق سخت ترین الفاظ میں متنبہ کیا تھا اور انہیں عبرت ناک سزا دینے کی آگاہی دی تھی۔ لہٰذا فراہی فکر کے ان متبعین نے روایت کے اس تہدیدی خطبہ کا ہدف بڑے اطمینان سے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو ٹھہرا کر انہیں ''عادی زناکار، غنڈہ اور منافق'' تک بنا ڈالا............﴿ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

صحیح مسلم کی ان دونوں روایات میں موجود رسول اللہ ﷺ کے اس تہدیدی خطبہ کے حقیقی مفہوم اور مدّعا کو سمجھنے کے لیے کہ جس میں ((يَنُبُّ نَبِيْبَ التَّيْسِ يا نَبِيْبٌ كَنَبِيْبِ التَّيْسِ)) کے سخت ترین الفاظ آئے ہیں۔ہمیں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ رجم کے وقت مدینہ کے ماحول اور اس وقت کے حالات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا۔ جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو ان کے دشمن نمبر ایک یہود بھی آباد تھے، جو اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں اضطراب اور انتشار پیدا کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ دوسری طرف وہ '' ففتھ کالم ''عناصر تھے جو مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہ رہے تھے اور بظاہر مسلمان کہلاتے تھے۔ سیاسی مصلحت کی بنا پر مسلمانوں کی طرح نماز، روزہ اور دیگر مراسم عبودیت میں بھی شریک دکھائی دیتے تھے۔ حضور ﷺ کی مجالس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ساتھ یہ ''منافقین'' بھی ہمیشہ موجود رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ اندر سے مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے اور مسلم معاشرہ کے استحصال کے لیے ہمہ وقت کوشاں۔

قرآنِ مجید کی سورۂ نور جس میں مسلمانوں کو معاشرتی احکام دیئے گئے اور حدودِ زنا، قذف اور لعان کے قاعدے متعین کیے گئے ہیں، اسی ''واقعہ افک'' کے نتیجہ میں نازل ہوئی تھی، جس کا بانی عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا۔ اس سورۃ میں منجملہ دیگر معاشرتی ہدایات وقوانین کے اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی اسلامی معاشرہ کو گندہ کرنے کی مبیّنہ کوششوں پر عذاب الیم کی بشارت دی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَـٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْـَٔاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾

[النور: ۱۹]

''یعنی جو لوگ اہل ایمان کے اندر بے حیائی پھیلانے کے درپے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ کو سب علم ہے جبکہ تم ان سے واقف نہیں ہو۔''

مذکورہ بالا آیت کے الفاظ اور تہدیدی انداز پر غور فرمایئے تو اس کے مخاطب واضح طور پر گروہِ منافقین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم چونکہ اس آیت میں ان کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لیے اس سے مراد مدینہ میں بسنے والے یہود بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ بہرصورت قرآن کے احکام وہدایات کی تشریح اور مفہوم ومدعا کا تعین وتبین کی ذمہ داری اللہ کے رسول ﷺ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے نہایت بروقت اور مناسب موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خطاب فرمایا اور ان کے ساتھ مجلس میں موجود منافقین کا نام لیے بغیر براہِ راست ﴿ تخلف احدکم ﴾ ''یعنی تم میں سے کوئی فرد (جہاد کے موقع پر) پیچھے رہ جاتا ہے۔'' کے الفاظ سے مخاطب فرما کر تہدید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اب اگر ان میں سے کسی کو میرے ہتھے چڑھا دیا تو میں اس قسم کے جرم پر اس کو عبرت ناک سزا دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

واضح رہے کہ مدینہ میں اس وقت تک سزائے رجم کا نفاذ نبی ﷺ کے حکم سے صرف ''یہود'' پر ان کے ''پرسنل لاء'' یعنی توریت کے مطابق کیا گیا تھا۔ کسی مسلمان کو

رجم کیے جانے کا واقعہ اس وقت تک پیش نہیں آیا تھا۔ پھر جب پہلی مرتبہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سزائے رجم سنائی اور اس پر عمل ہوا تو اس سنسنی خیز واقعہ کا چرچہ اور بازگشت مدینہ کے گلی کوچوں میں سنائی دینے لگی۔ اس وقت نفسیاتی طور پر ایک عبرت انگیز ماحول بن گیا تھا۔ ایسی صورت میں منافقین مدینہ کو برقت ان کی مذموم حرکتوں پر تنبیہ کرنا ضروری بھی تھا اور کارگر بھی...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر ماحول کی نفسیات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت ترین الفاظ میں ان عناصر کو ان کے انجام بد سے آگاہ کر دیا۔

دوسری اہم اور قابل غور بات اس حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿ تخلف احدکم ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ یعنی تم میں سے کوئی فرد پیچھے رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی کی تو یہ جرأت ہو نہیں سکتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ جہاد کو پس پشت ڈال کر مدینہ میں رک جاتا۔ اس صریح نافرمانی کے بعد ایمان ہی کہاں سلامت رہ جاتا ہے۔ قرآن کی سورۂ توبہ گواہ ہے کہ جہاد سے جی چرا کر بیٹھنے والے مدینہ میں ہمیشہ صرف اور صرف منافقین ہی ہوتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی اس قسم کی جرأت نہیں کی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر باوجود اپنے خلوص اور ارادے کے صرف اتفاق اور تساہل کی بنا پر تین صحابی (ہلال ابن امیہ، مرارہ ابن ربیع اور کعب ابن مالک رضی اللہ عنہم) شرکت جہاد سے محروم رہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے واپسی پر ان حضرات سے جس طرح جواب طلب فرمایا اور پھر ان کے اس غلطی کے اعتراف کے بعد ان تینوں کا سماجی مقاطعہ کرنے کا تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا۔ اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں اور احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔ اور اجمالی طور قرآنِ مجید کی سورۂ توبہ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: ﴿ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ ﴾ کی تشریح و تفسیر۔ لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ میں ﴿ تخلف احدکم ﴾ سے مراد صحابی رسول حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ تھے، سراسر دھاندلی ہے اور قرآن و حدیث کے صحیح فہم سے محرومی کی دلیل بھی۔

تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ رجم کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجمعے میں ان کے لیے اس قدر سخت الفاظ ارشاد فرمائے تھے، تو پھر سنن ابوداؤد کی روایت کے مطابق حد رجم کے نفاذ کے بعد دو صحابہ کرام کے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے لیے برے الفاظ استعمال کرنے پر آپ ان سے ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے اور نہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ یہ اطلاع دیتے کہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں تیر رہا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل اور قرائن کی روشنی میں بلاخوف وخطر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح سورۂ نور میں مذکور آیت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے مخاطب صحابہ کرام کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی ان دونوں روایتوں میں حضور ﷺ کے خطبہ میں ((يَنُبُّ نَبِيبَ التَّيْسِ)) جیسے سخت الفاظ کا مصداق حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو قرار نہیں دیا جاسکتا۔

صحیح مسلم کی اس پہلی روایت میں ((اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِرَجُلٍ قَصِيْرٍ)) کے جملے کو لے کر عنایت اللہ سبحانی صاحب کو اصرار ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اعتراف گناہ اور خود کو پاک کرانے کی غرض سے بذات خود خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوئے تھے، بلکہ پکڑ کر لائے گئے تھے۔ حالانکہ صحیح مسلم کی وہ اکیلی حدیث جس میں حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں لائے جانے کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَقَعَ فِيْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ وَالْمَشْهُوْرُ بَاقِي الرِّوَايَاتِ اَنَّه' اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ طَهِّرْنِيْ : قَالَ الْعُلَمَاءُ لَا تَنَاقُضَ بَيْنَ الرِّوَايَاتِ فَيَكُوْنُ قَدْ جِيْئَ بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَيْرِ اِسْتِدْعَاءٍ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ جَاءَ فِيْ غَيْرِ مُسْلِمٍ اَنَّ قَوْمَه' اَرْسَلُوْهُ))[1]

"اس روایت میں لائے گئے کے الفاظ ہیں، مگر مشہور روایتوں میں ہے کہ

[1] مسلم، ج: ۲، ص: ۶۷

وہ خود حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مجھے پاک کر دیجئے۔
علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ وہ نبی ﷺ کے بغیر طلب کے لائے گئے تھے۔ اس لیے کہ مسلم کی روایت کے علاوہ دوسری حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ان کی قوم نے ان کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا تھا، تو راوی نے اس کو لائے گئے کے الفاظ سے ادا کر دیا ہو؟''

مولانا عنایت اللہ سبحانی کی تحریر کردہ صحیح مسلم کی دوسری روایت میں جو انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ''حقیقت رجم'' کے صفحہ نمبر: ۱۶۵ پر تحریر کی ہے۔ اس میں بھی حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے خود ہی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے اور اعتراف گناہ کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

((اِنَّ رَجُلًا مِنْ اَسْلَمَ يُقَالُ لَه' مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّىْ اَصَبْتُ فَاحِشَةً فَاَقِمْهُ عَلَيَّ فَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ مِرَارًا قَالَ؛ ثُمَّ سَاَلَ قَوْمَه' فَقَالُوْا لَانَعْلَمُ بِهٖ بَاْ سًا اِلَّا اَنَّه' اَصَابَ شَيْئًا نَرٰى اَنَّه' لَا يُخْرِجُهُ مِنْهُ اِلَّا اَنْ يُّقَامَ فِيْهِ الْحَدُّ قَالَ : فَرَجَعَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَنَا اَنْ نَرْجُمَه'))[1]

''قبیلہ بنی اسلم کا ایک شخص جسے ماعز بن مالک کہا جاتا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میں نے زنا کیا ہے، مجھے اس کی سزا دی جائے۔ نبی ﷺ نے اس کو کئی بار واپس کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اس کی قوم سے دریافت کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس کے کردار میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے سوائے اس جرم کے جو اس سے سرزد ہو گیا ہے (اور جس کا اس نے حضور ﷺ کے سامنے خود ہی اعتراف کیا ہے۔) اور اب اس گناہ کے تدارک کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ اس پر حد قائم کر دی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ نبی ﷺ کے پاس لوٹ کر آیا تو آپ ﷺ

[1] صحیح مسلم/ کتاب الحدود/ باب من اعترف علی نفسه بالزنا حدیث: ٤٤٢٨

نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے رجم کر دیں۔"

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم کے لوگوں نے ان کے کردار کے بارے میں جو صفائی دی اس میں ان کے یہ الفاظ میں ((لا نعلم به بأسًا الا انه اصاب شيئًا يرى)) یعنی ان کے کردار میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے۔ سوائے اس جرم کے جس میں وہ اب ملوث ہو گئے ہیں اور جس کا انہوں نے خود ہی حضور ﷺ کے سامنے اعتراف کیا ہے۔ ان کے اہل قبیلہ نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ان کے خیال میں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے اس گناہ کے تدارک اور کفارے کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے کہ ان پر حد زنا قائم کر دی جائے۔ ((لا يخرجه منه الا ان يقام الحد)) اگر بالفرض حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ ...... فراہی فکر کے متبعین کے خیال کے مطابق...... "عادی زناکار، بدخصلت گنڈے" اور مدینہ کی شریف بہو بیٹیوں کا اس طرح تعاقب کرنے والے تھے جس طرح بکرا بکریوں کا پیچھا کرتا ہے ((يَنُبُّ كَنَبِيبِ التَّيْسِ)) ہوتے...... تو ان کا یہ وصف مدینہ میں مشہور ہونا چاہیے تھا اور ان کے خلاف گواہی دینے والے حضور ﷺ کی محفل میں موجود بے شمار افراد مل جاتے اور ان "معززین" کی گواہی مقدمہ کی کاروائی کے لیے کافی تھی۔ آخر ان کے اپنے قبیلے "بنی اسلم" کے لوگوں کو بلا کر ہی دریافت حال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہری بات ہے کہ کسی شخص کے کردار کی جو باریک ترین خامیاں اس کے اپنوں، رشتہ داروں، اہل خاندان اور اہل محلّہ کو معلوم ہوتی ہیں وہ دوسروں کو نہیں ہوتیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے کردار و عمل کے لحاظ سے پہلے سے "بدنام شخصیت" نہیں تھے، بلکہ ایک متوازن مومنانہ کردار و صفات کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جب خود آ کر اعتراف گناہ کیا اور خود کو پاک کرنے کے لیے حد زنا جاری کرنے کی درخواست کی تو ان کے مومنانہ کردار و صفات اور ماضی کے "بے داغ" ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو تعجب ہوا۔ آپ ﷺ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟ یعنی ان کے منہ سے ایسی بات سن کر حضور ﷺ کو یقین نہیں آیا کہ ایسا نیک اور پاکباز انسان

اور ایسی حرکت کا مرتکب ہو؟...... اگر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ "بدخصلت غنڈے" اور "جنس زدہ، عادی زناکار" شخص ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اعتراف پر حیرت کا اظہار کیوں فرماتے۔ یہی نہیں بلکہ دیگر احادیث کی روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ اس کا منہ سونگھ کر دیکھو۔ کہیں اس نے غلطی سے شراب تو نہیں پی رکھی، جس کے نشے میں یہ ایسی انہونی اور اول فول بول رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حسب حکم ان کا منہ سونگھ کر جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ایسی کوئی علامت نہیں ہے کہ اس نے شراب پی ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں کو بلا کر استفسار حال فرمایا۔ جب ساری بات واضح ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دے دیا۔

یہ ہے ساری حقیقت جناب ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے قصۂ رجم کی۔

ایک علمی خیانت

اب ذرا مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب کی کاریگری ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف نے صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے اہل قبیلہ کی صفائی کے الفاظ کے ترجمہ میں کس طرح خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

((ثُمَّ سَأَلَ قَوْمَهُ : قَالُوْا لَا نَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا اِلَّا اَنَّهُ اَصَابَ شَيْئًا يُرٰی اِنَّهُ لَا يُخْرِجُهُ مِنْهُ اِلَّا اَنْ يُّقَامَ الْحَدُّ))

اس کا ترجمہ مولانا سبحانی نے اس طرح کیا ہے:

> "پھر اس کی قوم سے دریافت فرمایا تو ان لوگوں نے کہا: ہمیں اس کے دماغ میں کوئی خلل نہیں نظر آتا۔ البتہ اسے ایک ایسی چیز کی لت لگ گئی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے؛ اس لت سے اسے کوئی چیز نہیں نکال سکتی۔ اس کی بس ایک ہی شکل ہے کہ اس پر حدِ زنا جاری کردی جائے۔"[1]

لا نعلم به بأسًا کا ترجمہ "ہمیں اس کے دماغ میں کوئی خلل نظر نہیں آتا۔" آخر کون سی لغت کے اعتبار سے ہے؟ بَئِسَ کے معنی عربی زبان میں "بری بات" برائی یا

[1] "حقیقت رجم" مولانا عنایت اللہ سبحانی ص: ۱۶۵

خرابی کے ہوتے ہیں۔ سورۂ الحجرات میں ارشاد ہے ﴿ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ج ﴾ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور ﷺ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کے جسم پر ہاتھ رکھ کر اسے ان الفاظ میں تسلی دیتے تھے:

((لَا بَأْسَ طَهُوْرًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ))

تو کیا اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ:

''تمہارے دماغ میں کوئی خلل نظر نہیں آتا۔ اس لیے تم ان شاء اللہ صحت یاب ہو جاؤ گے؟''

جناب مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ ''صاحب القاموس الجدید'' نے اپنی لغت میں شیء لا باس به کے معنی ''ناقابل اعتراض'' تحریر کیے ہیں۔[1] اس اعتبار سے لا نعلم به بأسًا کے معنی ''ہمارے علم میں اس کی کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔'' ہوتے ہیں۔

اسی طرح مولانا سبحانی نے ((انهٗ اصاب شيئًا)) کے معنی ''اسے ایک ایسی چیز کی لت لگ گئی ہے۔'' تحریر فرمائے ہیں، جو کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ محض اپنی بات کی پچ رکھنے کے لیے اور جناب ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے کردار کو مسخ کرنے کی غرض سے انہوں نے جان بوجھ کر شیئًا کا ترجمہ ''لت لگنے'' سے کیا ہے ورنہ وہ اتنے نادان بہر حال نہیں ہیں کہ عربی زبان وادب کے تقاضوں اور کسی لفظ کے لغوی معنی کا شعور نہ رکھتے ہوں۔ مصباح اللغات میں ((اصاب الشیء)) کے معنی ''پانا، صواب سمجھنا'' آتے ہیں۔[2] اور ''القاموس الجدید میں ((اَصَابَ الشَّیءَ والرجل)) کے معنی ''لاحق ہونا'' تحریر ہیں۔[3] اس لیے حدیث کے الفاظ ((الا انهٗ اصاب شَيْئًا يرى)) کا مطلب اس کے علاوہ کچھ اور کرنا درست نہیں ہوگا:

---

[1] ''القاموس الجدید'' مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ، ص: ۴۲ (کتب خانہ حسینیہ دیوبند)

[2] مصباح اللغات، مولانا عبد الحفیظ بلیاوی ص: ۴۸۳

[3] ''القاموس الجدید'' مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ ص: ۵۲۳

''مگر جو جرم ان پر لاحق ہو گیا ہے، وہ تو ظاہر ہی ہے۔''

لیکن اس کی بجائے زبردستی کھینچ تان کر ترجمہ میں ''لت لگ جانا'' کے الفاظ شامل کرنا تاکہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو اپنے دعویٰ کے مطابق ''عادی زنا کار'' ثابت کیا جاسکے۔ اگر ''خیانت مجرمانہ'' نہیں تو پھر اور کیا ہے؟؟

جہاں تک مولانا عنایت اللہ سبحانی کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ تو بلاشبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ولم یصل علیه کے الفاظ آئے ہیں، مگر دوسری روایتوں میں نماز پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح ابوداؤد کی ایک روایت میں بھی '' وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ '' موجود ہے، مگر دوسری روایت میں '' صلى عليه '' کے الفاظ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جناز پڑھنے کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو:

((فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْرًا وَصَلّٰى عَلَيْهِ))[1]

''ان کو رجم کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اچھے الفاظ ارشاد فرمائے اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔''

امام بخاری اور ابوداؤد کی وہ روایت جس میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے تمام محدثین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روایت حدیث میں ((ان المثبت مقدم على النافى)) یعنی ''مثبت حکم منفی پر مقدم ہوتا ہے۔'' کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تمام روایتیں نقل کرنے کے بعد نماز پڑھنے والی روایتوں کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ ماعز اور غامدیہ رضی اللہ عنہما کے رجم کی روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] بخاری شریف، کتاب الحدود/باب الرجم بالمصلّٰی، حدیث: ٦٨٢٠

[2] بذل المجهود ج: ١٧، ص: ٣٨٠ (دار الكتب بيروت)

((وَفِيْهِ اَنَّ امْرَأَةً تُرْجَمُ اِذَا زَنَتْ وَهِيَ مُحْصَنَةٌ كَمَا يُرْجَمُ الرَّجُلُ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّهَا كَانَتْ مُحْصَنَةً لِاَنَّ الْاَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَةَ وَالْاِجْمَاعَ مُتَتَابِقَانِ عَلَى اَنَّه' لَا يُرْجَمُ غَيْرُ مُحْصِنٍ))[1]

''اس سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کو اس وقت رجم کیا جائے گا۔ جب وہ شادی شدہ ہو جیسا کہ مرد کو شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم کیا جاتا ہے۔ اور یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وہ (غامدیہ رضی اللہ عنہا) محصنہ تھی۔ اس لیے عام صحیح احادیث اور اجماع اس پر متفق ہیں کہ غیر محصن (یعنی غیر شادی شدہ) کو رجم نہیں کیا جائے گا......!''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام زنا کی حقیقت

صحابی رسول حضرت ماعز بن مالک اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہا کی کردار کشی اور ان پر کیچڑ اچھالنے کے بعد عنایت اللہ سبحانی صاحب کا رہوار قلم اس قدر خود سر، جری اور بے باک ہو گیا تھا کہ ان کے قابو میں بالکل نہ رہ سکا......! ''جوشِ تحقیق'' سے مغلوب ہو کر انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل المرتبت صحابی رسول کا دامن عفت و عصمت بھی بلا خوف و خطر اپنی نوکِ قلم سے چاک کر ڈالا۔ وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو نہ صرف یہ کہ صلح حدیبیہ میں شریک اور بیعت الرضوان میں شامل ان صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ ان الفاظ میں قرآن مجید کی سورۂ فتح میں دیا ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ﴾ [الفتح : ۱۸]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہو گیا جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی اور جو صدق و خلوص ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا''۔

[1] صحیح مسلم مع شرح نووی جلد : ۲، ص : ۶۸

بلکہ وہ ان جلیل القدر اور ممتاز اصحابِ رسول میں سے تھے، جن کے خلوص، للہیت اور انتظامی و حربی صلاحیتوں کا اعتراف ان کے دشمن بھی کرتے تھے۔ ان کی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں گذری۔ صلح حدیبیہ کے علاوہ وہ خیبر و تبوک جیسے اہم ترین غزوات میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں وہ جنگ یمامہ، جنگ یرموک، جنگ قادسیہ، فتح نہاوند و ہمدان اور فتوح الشام کی جنگی کاروائیوں میں اسلامی لشکر کے ساتھ شریکِ جہاد رہے۔ جنگِ قادسیہ کے موقع پر کسریٰ شاہ ایران کے پاس وفد لے کر جانے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کے نمائندے عروہ بن مسعود ثقفی سے انہوں نے زبردست بحث و مباحثہ کیا تھا، جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کی تقریباً سواسو سے زیادہ صحیح احادیث مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت مسور بن مخزمہ اور حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور تابعین میں ان سے روایت کرنے والوں میں قیس بن حازم، ابو وائل اور مسروق تابعی رحمہم اللہ کے علاوہ ان کے بیٹے عروہ، حمزہ اور عفار کے نام ملتے ہیں۔[1]

اگر بالفرض عنایت اللہ سبحانی صاحب کے لگائے ہوئے الزامات کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کا الزام ثابت ہوتا، تو ان کے کردار کی بناپر صحابہ کرامؓ یا تابعین ان سے ہرگز روایت نہ کرتے اور امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محتاط محدثین ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں کبھی شامل نہ کرتے۔ دوسرے اس الزامِ زنا کے تسلیم کرنے کے بعد بیعت الرضوان میں ان کی شمولیت کی بناپر اللہ تعالیٰ کے "پروانہ رضا" کی حیثیت بھی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ یا تو آپ یہ تسلیم کیجئے کہ نعوذ باللہ خود اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بیعت الرضوان میں شامل جن اصحابِ رسول کو "پروانہ رضا" دیا جارہا ہے ان میں سے ایک آگے چل کر زنا جیسی قبیح حرکت کا مرتکب ہوگا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے بلا

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: "اسد الغابہ" لابن اثیر ج: ۸، ص: ۲۰۰

استثناء سب ہی شرکاء بیعت الرضوان سے راضی ہونے کا اعلان قیامت تک کے لیے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید میں کر دیا...... بصورت دیگر اس بات کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ارتکاب زنا کا الزام جھوٹا تھا اور وہ ساری روایتیں غلط اور بے بنیاد ہیں جن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قریب و مشیر ہونے کی وجہ سے...... بدنام کرنے کے لیے ''دشمنانِ دین'' نے زنا کے الزام کا ہدف ٹھہرایا ہے اور حصولِ مقصد کے لیے ان شاطر دشمنوں نے تاریخ کی کتابوں میں تدلیس کر کے ایسی واہی روایات داخل کر دی ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا پاکیزہ کردار مسخ ہو جائے اور ان واقعات کو پڑھ کر عامۃ المسلمین کے دلوں میں ان نفوس قدسیہ کی محبت و عظمت ختم ہو جائے۔ اس طرح دین کا وہ سارا سرمایہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے منتقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ اس کی افادیت لازمی طور پر مشکوک ہو جائے گی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ایمان و عمل کے قلعہ میں شگاف لگانا بے حد آسان ہوگا۔

عنایت اللہ سبحانی صاحب نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام زنا کی تفصیلات المستدرك للحاكم جلد سوم اور المبسوط جلد پنجم کے حوالہ سے اپنی کتاب ''حقیقت رجم'' کے صفحہ: ۶۷ تا ۷۹ پر تحریر فرمائی ہیں اور اس کی تائید میں تاریخ طبری کا بھی حوالہ دیا ہے۔ پھر اس کو بنیاد بنا کر یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ اس واقعہ میں گواہوں پر ''حد قذف'' جاری نہیں کی گئی بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر حد زنا جاری کی گئی تھی............ مولانا سبحانی نے اپنے اس ''خانہ ساز'' نظریہ کے لیے کوئی تاریخی شہادت یا حوالہ پیش نہیں کیا، بلکہ یہ سب سراسر ظن وتخمین کی بنیاد پر فرض کر لیا ہے۔ کیونکہ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ گواہوں کی شہادت ناکافی ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس الزام سے بری کر دیا تھا اور حد قذف گواہوں پر جاری ہوئی تھی۔ مستدرک حاکم سے عنایت اللہ سبحانی صاحب نے جو واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے:

((فَكَبَّرَ عُمَرُ وَفَرِحَ اِذْ نَجَا الْمُغِيرَةُ وَضَرَبَ الْقَوْمَ الْحَدَّ اِلَّا

زِیَادًا))

''اس وقت حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا اور جناب مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بچ جانے پر بہت خوش ہوئے اور پھر زیاد کے علاوہ بقیہ گواہوں پر حد قذف جاری کی۔''

اس سے ملتی جلتی روایت ''المبسوط'' میں امام سرخسی نے بھی لکھا ہے:

''پس انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو رسوا نہیں کیا۔''[1]

عنایت اللہ سبحانی صاحب نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گواہی دینے والوں کے زہد و تقویٰ اور ان کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے ابن سعد، امام زیلعی اور خیر الدین زرکلی کی گواہیاں اپنی کتاب ''حقیقتِ رجم'' میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس قسم کے گواہوں کی شہادت غیر معتبر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے لازمی طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جرمِ زنا کے مرتکب قرار پاتے ہیں۔ سبحانی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے؛ کسی فرد کا مجرد طور پر ثقہ ہونا یا اس کا زہد و تقویٰ اس بات کا منافی نہیں ہے کہ کسی موقع پر غلط فہمی کا شکار ہو کر اس کی زبان سے کبھی کوئی بات غلط، خلافِ واقعہ یا بے بنیاد نہ نکل سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جو ''افک'' کا دلخراش واقعہ پیش آیا، اس سلسلے میں ساری بے بنیاد افواہیں اور پروپیگنڈہ منافقین مدینہ نے پھیلایا تھا، مگر اس سے متاثر ہو کر حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم جیسی ثقہ ہستیوں کی زبان سے بھی ان غلط باتوں کی تائید میں الفاظ نکل گئے تھے، جس کی پاداش میں ان کو حد قذف کے کوڑوں کی سزا بھگتنی پڑی۔ تو کیا جناب عنایت اللہ سبحانی کے ممدوح اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گواہی دینے والے ابو بکرہ...... باوجود طلیق اللہ کی صفت سے متصف ہونے کے...... کیا اپنے زہد و تقویٰ اور شرف صحابیت میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے زیادہ بڑھ کر ہو سکتے ہیں؟ یا ان کے دوست شبل بن معبد، نافع بن کلدہ اور زیاد مرتبہ کے لحاظ سے حضرت مسطح بن اثاثہ اور

[1] ''المبسوط'' علامہ سرخسی کتاب الحدود ج: ۵، ص: ۳۸

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فائق کہے جاسکتے ہیں؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گواہوں کے زہد وتقویٰ کی دُہائی دینے سے کیا حاصل......؟؟

عنایت اللہ سبحانی صاحب اپنے ممدوح ''ابوبکرہ'' کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں اور ان کی فضیلت پر روایتوں پر روایتیں پیش کرتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ یہ صاحب قرآن کے احکام کے مطابق، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پر زنا کا الزام ثابت نہ کرسکنے کی بنا پر ہمیشہ کے لیے مرُدود الشہادت قرار پاتے ہیں۔ سورۂ نور کی آیت نمبر چار اور پانچ کی تصریح کے مطابق قذف کا الزام لگانے والا شخص اگر ایسی شہادت پیش نہ کرسکے جو اس جرم کا ثبوت ہو تو ایسی صورت میں اس شخص کے لیے تین حکم ہیں:

۱۔ اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

۲۔ اس کی شہادت کسی معاملہ میں کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

۳۔ وہ فاسق قرار پائے گا۔

واضح رہے کہ مجرم کا عنداللہ فاسق ہونا نفس قذف کا نتیجہ ہے اور عندالناس فاسق ہونا عدالت میں اس کا جرم ثابت ہونے اور اس کے سزایاب ہونے پر موقوف ہوگا۔ البتہ آیت نمبر پانچ کے فقرے ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا ﴾ کے مطابق وہ ''حد قذف'' کی سزا پانے کے بعد اگرچہ ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت تو رہے گا، مگر توبہ اور اپنی اصلاح کرلے تو پھر وہ عنداللہ اور عندالناس فاسق شمار نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، امام یوسف، امام محمد، امام زفر کے علاوہ سفیان ثوری، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، مکحول تابعی، سعید بن جبیر، سعید بن میسب اور قاضی شریح رحمھم اللہ جمیعاً جیسی عظیم ہستیاں اسی نظریہ کی قائل ہیں۔ البتہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، حضرت عمر بن عبدالعزیز، مسروق تابعی، ضحاک، مالک بن انس، عکرمہ، مجاہد، طاؤس، عطاء، لیث بن سعد اور ابن جریر طبری رحمھم اللہ جمیعاً وغیرھم اساطین امت کی رائے یہ ہے کہ آیت ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا ﴾ کا تعلق پہلے حکم یعنی حد قذف کے اسی (۸۰) کوڑوں سے تو نہیں ہے، مگر آخری دو حکموں سے ہے۔ یعنی اگر قذف کا مجرم اسی (۸۰)

کوڑوں کی سزا پانے کے بعد توبہ کرلے اور آئندہ کے لیے اسی قسم کی حرکت سے باز رہنے کا عزم مصمم کرلے تو اس کی توبہ اور خود اپنی اصلاح کے بعد اس کی شہادت بھی قبول کی جائے گی اور وہ فاسق بھی شمار نہیں ہوگا۔ ان بزرگوں نے اپنے موقف کی تائید میں دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ حضرت عمر کے فیصلے کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جو کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں دیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق گواہوں پر حد جاری کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ اور ان کے دونوں ساتھیوں، شبل بن معبد اور نافع بن کلدہ سے کہا کہ اگر تم لوگ توبہ کرلو یا بالفاظِ دیگر اپنے جھوٹ کا اقرار کرلو تو میں آئندہ تمہاری شہادت قبول کروں گا ورنہ نہیں۔ دونوں ساتھیوں نے اقرار کرلیا، مگر ابوبکرہ اپنے قول پر قائم رہے۔[1]

قاضی ابوبکر ابن العربی کی تصریح کے مطابق، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کے الزام والے مقدمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کے گواہ ابوبکرہ اوران کے دوساتھی شاہدوں کو قذف کی سزا دی تھی۔

اس مقدمہ کی روداد یہ ہے کہ بصرہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ابوبکرہ کے تعلقات کسی بنا پر پہلے سے خراب چل رہے تھے۔ دونوں کے مکان ایک ہی سڑک پر آمنے سامنے واقع تھے۔ ایک روز یکایک ہوا کے زور سے دونوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ ابوبکرہ اپنی کھڑکی بند کرنے کے لیے اٹھے تو ان کی نگاہ سامنے کے کمرے پر پڑی اور انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مباشرت میں مشغول دیکھا۔ اس وقت اتفاق سے ابوبکرہ کے تین دوست، نافع بن کلدہ، زیادہ اور شبل بن معبد بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا؛ دیکھو اور گواہ رہو کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کیا کررہے ہیں؟ دوستوں نے ان سے دریافت کیا: ''یہ عورت کون ہے؟'' ابوبکرہ نے جواب دیا۔ ام جمیل ہے۔ دوسرے دن ابوبکرہ نے اس کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

[1] تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی ج:۳، ص:۳۵۳ (تفسیر سورۂ نور)

دربارِ خلافت میں لکھ بھیجی۔ شکایت ملتے ہی حضرت عمر نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو ان کے عہدے سے معطل کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرے کا گورنر مقرر کر دیا اور ملزم کو گواہوں سمیت مدینہ طلب کر لیا۔ جب مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا تو دو گواہوں نے صاف کہا: ہم نے مغیرہ کو ام جمیل کے ساتھ بالفعل مباشرت میں مشغول دیکھا ہے، مگر تیسرے گواہ زیاد نے کہا کہ عورت صاف نظر نہیں آ رہی تھی اور میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ام جمیل ہی تھی۔ حضرت مغیرہ سے جب جرح کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ جس جگہ سے یہ لوگ انہیں دیکھ رہے تھے، وہ جگہ اس رخ پر ہے کہ وہاں سے دیکھنے والا عورت کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ عورت جس کے ساتھ وہ مباشرت میں مشغول تھے، ام جمیل نہیں بلکہ ان کی بیوی تھی۔ ان کی بیوی ام جمیل سے مشابہ ہے، اس بات کا ثبوت بھی انہوں نے عدالت کو بہم پہنچا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف کے بیان سننے کے بعد قرائن سے اس بات کا اندازہ لگایا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سچے ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں، ایک صوبہ کا گورنر، خود اپنے سرکاری مکان میں جہاں اس کی بیوی اس کے ساتھ رہتی ہو، ایک غیر عورت کو بلا کر زنا نہیں کر سکتا۔ اس لیے ابوبکرہ اور ان کے ساتھیوں کی بے جا بدگمانی اور الزام تراشی مستوجب سزا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بری فرما دیا اور ابوبکرہ اور ان کے دونوں ساتھیوں، شبل بن معبد اور نافع پر حد قذف جاری فرما دی۔ زیاد نے چونکہ الزام کی تائید نہیں کی تھی، بلکہ صرف شبہ کا اظہار کیا تھا، اس لیے شک وشبہ کی بنا پر وہ حد قذف سے بچ گئے۔ اس مقدمہ کی پوری تفصیل ابن العربی نے احکام القرآن میں وضاحت کے ساتھ تحریر کی ہے۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو: " احکام القرآن " قاضی ابوبکر ابن العربی ج : ۲ ، ص: ۸۸ ، ۸۹
" تفہیم القرآن " سید ابو الاعلی مودودی ج : ۳ ، ص : ۳۳۴ ، ۳۳۵ (تفسیر سورۂ نور)

قابل غور بات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں یہ ہے کہ نفس فعلِ جماع اس میں متفق علیہ تھا۔ یعنی خود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ وہ مباشرت کرتے نہیں پائے گئے۔ بلکہ اس مقدمہ میں فیصلہ کن بات یہ تھی کہ عورت کون تھی؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ وہ ان کی بیوی تھی۔ جسے یہ لوگ غلطی سے ام جمیل سمجھ بیٹھے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ ان کی بیوی اور ام جمیل باہم اس قدر مشابہہ تھیں کہ جس قدر فاصلے اور جتنی روشنی میں واقعہ کا مشاہدہ کیا گیا تھا، اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ عورت ام جمیل ہے۔ ادھر استغاثہ کا ایک گواہ بھی اقرار کر چکا تھا کہ عورت صاف نظر نہیں آ رہی تھی، لہٰذا سارے قرائن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جاتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ابو بکرہ مقدمہ میں سزایاب ہونے کے بعد بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی دیرینہ رنجش یا دلی بغض وعداوت کے بنا پر کھلے عام یہ کہتے رہے کہ ''میں شہادت دیتا ہوں کہ مغیرہ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔'' اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات پر دوبارہ مقدمہ ان کے خلاف قائم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کے بعد کہ ابو بکرہ اپنے سابقہ الزام ہی کو دہرا رہے ہیں، اس لیے ان پر دوسرا مقدمہ چلانا درست نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی بنیاد پر فقہاء امت نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ سزا یافتہ قاذف کو صرف نئے الزام پر دوبارہ گرفت میں لیا جا سکتا ہے۔ سابق الزام کو دہرانے پر اسے سزا نہیں دی جائے گی......!

حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اگرچہ ''زنا کی شکایت'' ملنے پر معزول کر دیا تھا اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا تھا، لیکن جب تحقیق اور مقدمہ کی کاروائی کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بے گناہ ثابت ہو گئے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا اور گورنری کا پروانہ عطا کرتے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص انہیں آگاہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے:

''تم کو یاد ہے کہ بصرہ میں تم پر کیسی تہمت لگائی گئی تھی؟ اب تم کوفہ جا رہے ہو تو ذرا وہاں کے لوگوں سے ہوشیار ہو کر رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی کسی سازش میں پھنس جاؤ، کیونکہ بصرہ اور کوفہ کے لوگ بڑے سازشی اور شورہ پشت ہیں۔ بصرہ میں ان سے تمہارا سابقہ پڑ چکا ہے۔''[1]

بصرہ کے لوگوں کی فتنہ پروری اور شورہ پشتی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بخوبی واقف تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ہٹانے کے بعد ان کی جگہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَبْعَثَكَ اِلٰی بَلَدٍ قَدْ عَشَّشَ فِیْهِ الشَّیْطَانُ))[2]

''(اے ابوموسیٰ) میں تمہیں ایک ایسے شہر میں (گورنر بنا کر) بھیجنا چاہتا ہوں جہاں شیطان نے اپنا گھونسلہ بنا رکھا ہے۔''

یہ سن کر ابوموسیٰ چونک گئے اور بولے: حضرت! میرے ساتھ کچھ مددگار کر دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا اور چھ مددگار یا مشیران کے ہمراہ کر دیئے۔[3]

کوفہ اور بصرہ شروع ہی سے ''سبائی تحریک'' کے مرکز رہے ہیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی جب مدینہ سے نکالا گیا تو سب سے پہلے وہ بصرہ ہی آیا تھا اور وہاں کے حکیم بن جبلہ نامی شخص کے ساتھ مل کر اس نے اپنی سبائی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اگرچہ ابن سبا کو بصرہ سے بھی راہِ فرار اختیار کرنی پڑی تھی، کیونکہ اس وقت کے گورنر کے تدبر اور فراست ایمانی نے اس شخص کے اسلام دشمن خفیہ عزائم کو جلد ہی بھانپ لیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے قیام بصرہ کے زمانے میں وہاں کے لوگوں میں فتنہ پروری کے جو بیج بو دیئے تھے، اس کے گل بوٹے کھل کر رہے اور رفتہ رفتہ اہل بصرہ کے دلوں میں بغاوت اور سرکشی

---

[1] فتوح البلدان للبلاذری ص: ۳۴۰ [2] فتوح البلدان للبلاذری ص: ۳۴۰
[3] عثمان ذو النورین سعید احمد اکبر آبادی ص: ۱۹۷ بحوالہ فتوح البلدان ص: ۳۴۰

کے جراثیم نے اپنا گھر بنالیا۔ کیونکہ اہل کوفہ کی طرح فساد پسندی اور فتنہ جوئی ان کی بھی سرشت میں داخل تھی۔ بصرے کے لوگ بھی کوفہ والوں کی طرح کچھ دن تک تو ہر نئے گورنر کی اطاعت اور فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے اور پھر اسی ''پسندیدہ گورنر'' کی عیب جوئی میں لگ جاتے۔ نت نئے بہانے تراش کر اور بے بنیاد الزامات عائد کر کے خلیفہ وقت سے گورنر کی تبدیلی کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس دور میں یہ شرف صرف اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو ہی حاصل تھا کہ وہ لوگ اپنی شاطرانہ چالوں سے گورنروں کو تبدیل کرانے مین کامیاب ہو جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور سخت گیر حکمران کو بھی اپنے دورِ خلافت میں ان دونوں جگہوں پر بار بار گورنر تبدیل کرنے پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کوفہ کے حالات سے بددل ہو کر فرمایا تھا:

((من عذ یری من اھل الکوفة اِنْ اسْتَعْمَلْتُ عَلَیْھِمُ الْقَوِیَّ فَجَّرُوہ ، وَاِنْ عَلَیْھِمُ الضَّعِیْفَ حَقَرُوْہُ))[1]

''خدا کی پناہ، کوفہ کے لوگ بھی عجیب ہیں۔ میں ان پر کوئی مضبوط حاکم بناتا ہوں تو یہ اس میں کیڑے نکالتے ہیں۔ اور اگر کسی کمزور شخص کو حاکم بناتا ہوں تو یہ اس کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔''

اہل بصرہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے پاکباز، جرأت مند اور مدبر گورنر کے خلاف سازش کر کے ان پر زنا کا الزام لگایا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک شکایت پہنچائی۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کی شرکت اور ان کی فساد پسندی سے بخوبی واقف تھے اور انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اہل بصرہ کی سازش کو بھی سمجھ لیا تھا۔ مگر امن عامہ اور انتظامی مصالح کے پیش نظر انہوں نے حضرت مغیرہ کو گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا تقرر کر دیا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر بحیثیت گورنر اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور فاروق اعظم

---

[1] عثمان ذوالنورین ص: ۹۷، ۱۹۶ (بحوالہ فتوح البلدان للبلاذری)

رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ایسی حکمت عملی اپنائی کہ اہل صبرہ کو دورِ فاروقی کے باقی دنوں اور دورِ عثمانی کے ابتدائی چھ سالوں تک ان کے خلاف سازش کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بالآخر ۲۹ھ میں اہل بصرہ نے ان کے خلاف سازشوں کے جال بننے شروع کر دیئے اور مختلف انداز سے خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک ان کی اس منصب سے نااہلی کی بات پہنچائی۔ ایک روایت کے مطابق غیلان بن فرشتہ نامی ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان کو طعنہ دیا؛ کیا آپ کو کوئی جوان آدمی نہیں ملتا جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے بوڑھے شخص کو بصرہ کا گورنر بنا رکھا ہے؟ ایک دوسری روایت کے مطابق اہل بصرہ کا ایک طاقتور وفد دارالخلافہ مدینہ آیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اس بات کا پرزور مطالبہ کیا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنری سے ہٹایا جائے۔ اگرچہ اہل بصرہ کے دباؤ اور اصرار پر حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا تقرر کر دیا تھا، مگر انہیں اس بات کا اچھی طرح یقین تھا کہ اہل بصرہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے، وہ ہرگز اس کے مستحق نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پوزیشن کی صفائی پیش کرتے ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ: "میں نے آپ کو کسی کمزوری یا بددیانتی کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے۔ آپ مہاجرین اور السابقون الاولون میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اور مجھے اس کا اعتراف ہے۔" ساتھ ہی تحریر فرمایا............

"میں نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا ہے کہ وہ تیس ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔"[۱]

یہ ہے اہل بصرہ کی سرشت اور ان کے گورنروں پر الزامات کی حقیقت۔ اس کے بعد بھی اگر عنایت اللہ سبحانی صاحب کی طرف سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر اہل بصرہ

---

[۱] "تاریخ کی مظلوم شخصیتیں" مولانا عبدالعلی فاروقی ص: ۳۳، ۳۴، ۳۵

عثمان ذوالنورین ص: ۲۰۲ — طبقات ابن سعد ج: ۵، ص: ۳۲

کے لگائے ہوئے ''الزامِ زنا'' کی تصدیق اور اس پر اصرار باقی رہے تو اسے انصاف کی رو سے اگر ''بغض صحابہ'' نہیں کیا تو اسلام کی خدمت کہا جائے گا............؟؟ ہمارے خیال میں مولانا عنایت اللہ سبحانی کو اس سلسلے میں حدیث رسول ﷺ " اللہ، اللہ فی اصحابی " یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہوگی اور وہ اگر احساسِ ندامت رکھتے ہوں گے تو خود ہی اپنے ''دامن'' اور ''بندِ قبا'' کا جائزہ لینے کے بعد اپنی اصلاح فرمالیں گے۔

فصل چہارم

صحابیت کی نئی تعبیر!

شرفِ صحابیت کا معیار

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے ''حقیقت رجم'' میں صفحہ نمبر: ۲۴۳ پر'' صحابیت کی تعریف میں بے جا توسع'' کا عنوان قائم کر کے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ اور تمام مشہور محدثین کے متفقہ نظریۂ شرف صحابیت کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ جس میں حالت ایمان کے ساتھ صرف ایک نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا اور آپ سے کوئی حدیث یا بات سننا اور روایت کرنا بھی'' صحابی'' ہونے کے لیے کافی بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مقدمہ ابن الصلاح کے حوالہ سے ابو مظفر سمعانی مروزی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس میں نے انہوں نے فرمایا ہے:

''صحابی کی تعریف میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ لغت اور عرف کے لحاظ سے لفظ صحابی کا اطلاق اس پر ہونا چاہیے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لمبی صحبت اٹھائی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں زیادہ سے زیادہ شریک رہا ہو اور آپ سے استفادہ کیا ہو، علماء اصول کا نقطہ نظر یہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت سعید ابن مسیب رحمہ اللہ کے سلسلے میں بھی یہی مروی ہے کہ وہ صحابی اسی کو شمار کرتے تھے جس نے سال دو سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہو اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہا ہو۔''[1]

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد عنایت اللہ سبحانی صاحب فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک علماء اصول کا جو نقطہ نظر ہے یا حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی ہے وہ بہت ہی اہم اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ صحابیت کا شرف بلاشبہ ایک عظیم شرف ہے، لیکن اس شرف کو تقسیم کرنے کا

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح، فصل معرفة الصحابہ ص: ۱۴۶

مجاز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہیں بنایا کہ جتنے وسیع دائرے میں چاہیں اسے لٹاتے پھریں اور جس جس کو چاہیں اس کا تاج پہنچائیں۔''[1]

اس مقام پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر مشاہیر اُمت محدثین کا شرفِ صحابیت کے بارے میں متفقہ نظریہ جو ''اجماع امت'' کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کو تو جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے بڑی آسانی سے اٹھا کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور ابومظفر سمعانی مروزی کے ''غیر معتبر'' قول کو، ان محدثینِ عظام کے فیصلہ کے علی الرغم ''معیارِ حق'' تسلیم کر لیا...... تاکہ اس کے مطابق حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ پر ''سبّ وشتم'' کرنے کا جواز ہاتھ آ جائے۔ مروزی نے بلا کسی سند اور حوالہ کے صرف ''میں کہتا ہوں'' کے دعویٰ کے ساتھ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی طرف جو ''بے بنیاد'' بات منسوب کی ہے۔ اس پر بھی سبحانی صاحب نے آنکھ بند کر کے یقین کر لیا۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کی آراء اور ان پر ''اجماع امت'' کے مقابلہ میں، مروزی یا ابن مسیّب رحمہ اللہ سے منسوب ان کی ذاتی رائے ایک ''تفرد'' تو قرار دی جا سکتی ہے، مگر اس پر ایمان وعمل کا دارومدار نہیں کیا جا سکتا...... جہاں تک ابومظفر سمعانی مروزی کے قول کی بات ہے تو انہوں نے صرف ''علمائے اصول'' کا نظریہ ہی پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کی وکالت ہرگز نہیں کی۔ اور نہ ہی انہوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس نظریہ کے حامل علماء اصول کون کون سے ہیں۔ ایسی صورت میں ان ''مجہول'' علمائے اصول کے نظریات کو آنکھیں بند کر کے کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے، جبکہ تمام محدثین کا موقف اس کے بالکل برعکس ہے۔

علماء اصول کے مذکورہ بالا نظریہ کی تصدیق کرنے کے بعد جناب عنایت اللہ سبحانی اگلے صفحہ پر اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''البتہ، وہ لوگ جن کی زندگیوں میں، حبِّ رسول اور اتباعِ رسول کی کوئی جھلک نہ ہو، جنہوں نے رسول کی حفاظت و مدافعت میں کبھی سر کی بازی نہ

[1] ''حقیقت رجم'' عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۴۴

لگائی ہو، یا جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کبھی باطل سے پنجہ آزمائی نہ کی ہو ایسے لوگوں کے سلسلے میں یہ اصرار کرنا کہ وہ صحابۂ رسول ہیں، یہ ایک ایسی بات ہے جو بہرصورت کوئی مضبوط بات نہیں کہی جاسکتی۔''[1]

کیا محترم عنایت اللہ سبحانی صاحب ان لوگوں کی نشاندہی فرمائیں گے یا ان کے نام بتانے کی زحمت گوارہ کریں گے جن کو امت مسلمہ نے ''صحابی رسول'' تسلیم کر رکھا ہے دراں حالیکہ ان کی زندگی میں ''حبِ رسول'' اور ''اتباعِ رسول'' کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا تھا......؟ کیا حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ یا صحابیات جو بتقاضائے بشریت، جذباتِ نفس سے مغلوب ہو کر زنا جیسے ''قبیح فعل'' کا ارتکاب کر بیٹھے تھے۔ ان کے اس جرم کے علاوہ............ جس کا انہوں نے خود ہی دربارِ رسول میں آکر اعتراف کرلیا تھا اور خود کو پاک کیے جانے کی درخواست کی تھی............ ان صحابہ کی عملی زندگی کی کچھ ایسی ''نجی جھلکیاں'' بھی، عنایت اللہ سبحانی صاحب پیش کرسکتے ہیں جن سے ثابت ہو کہ ان کی کتاب زندگی کے اوراق اتباعِ رسول اور حب رسول کے جذبوں سے یکسر خالی تھے......؟؟ ((نَبِيبٌ كَنَبِيبِ التَّيْسِ)) کے مجرد الفاظِ رسول کا ان کی طرف غلط انتساب اور پھر ''عقلی گدّے لڑانے'' کے بعد ان اصحابِ رسول کے کردار کو مسخ کرنا اور ان نفوس قدسیہ پر کیچڑ اچھالنا، انسانیت اور شرافت کی آخر کون سی قسم ہے......؟ شرفِ صحابیت کے لیے جہاں تک جدال وقتال اور باطل سے پنجہ آزمائی کی ''شرط اولین'' کی بات ہے تو اس پر ہم ان شاء اللہ جلد ہی مناسب موقع پر گفتگو کریں گے۔

جناب عنایت اللہ سبحانی کی شرف صحابیت پر یہ ساری قیل وقال اور ایں و آں جس مقصد کے لیے تھی، اس کا اظہار بھی انہوں نے چند سطور بعد فوراً ہی کر دیا ہے۔

اپنے نفس مدعا کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ سارے لوگ جنہیں عہدِ رسالت میں رجم کیا گیا، ان کے صحابی یا صحابیہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا، اس لیے کہ

---

[1] ''حقیقت رجم'' مولانا عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۴۵

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان لوگوں نے آپ کی صحبت اٹھائی تھی یا آپ سے کوئی فیض حاصل کیا تھا۔ لیکن زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ یہ سارے لوگ مشہور اسی حیثیت سے کیے گئے کہ وہ صحابہ یا صحابیات میں سے تھے۔ اور جب یہ بات مشہور کر دی گئی تو پھر ان کے سلسلے میں اُمت کے احساسات انتہائی نازک ہو گئے اور اب کے ان کے سلسلے میں یہ تصور کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا کہ یہ لوگ اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے اسی کے سزاوار تھے کہ اہل زمین کو ان سے نجات دلائی جائے۔ اس کے برعکس یہ سزائے رجم ان کے مناقب میں شمار کی گئی اور وہ چیز جو لعنت واہانت کی علامت تھی، عزت وسرفرازی کا نشان بن گئی۔ اور محض اسی کی بنیاد پر لوگوں کی نگاہوں میں انہیں وہ عزت ومنزلت حاصل ہو گئی جو ان بہت سے جاں نثارانِ رسول ﷺ کو بھی نہ حاصل ہو سکی، جن کی جاں نثاری وفداکاری ہی سچ پوچھو تو تاریخِ اسلام کی جان ہے۔''[1]

آخر میں ''خلاصہ بحث'' کے عنوان سے وہ سارے محدثین اور مفسرین کی تصریحات اور شرفِ صحابیّت کی متفقہ آراء کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اپنا یہ فیصلہ سنا دیتے ہیں:

''ماعز اسلمی اور ان کے علاوہ جن کو بھی رجم کیا گیا، ان میں سے کسی کے بھی صحابی یا صحابیہ ہونے کی مضبوط دلیل نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو صحابی یا صحابیہ کہنا صحابیت کے بلند مقام سے بے خبری کی دلیل ہے۔''[2]

جناب عنایت اللہ سبحانی کی اس تحریر کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا لیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام ہی اساطین امت اور محدثین عظام جنہوں نے اپنی ساری حیاتِ مستعار اور سرمایۂ زندگی احادیث رسول کو سمجھنے، سمجھانے میں صرف کر دیا تھا، سبحانی صاحب کی نگاہ

[1] ''حقیقت رجم'' مولانا عنایت اللہ اسد سبحانی ص: ۲۴۷

[2] ''حقیقت رجم'' عنایت اللہ اسد سبحانی ص: ۲۸۱، ۲۸۲

میں، انتہائی غبی، علم فہم سے کورے اور نا آشنائے حقیقت تھے۔ جنہیں اس بات کا بھی شعور وادراک نہیں تھا کہ ''صحابی'' کس کو کہنا چاہیے اور صحابیت کا بلند مقام اور مرتبہ کیا چیز ہوتا ہے......؟ حقیقت میں یہ غرورِ علم اور تکبّرِ نفس کی وہی کیفیت ہے جس سے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بہ ایں الفاظ پناہ مانگی ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَالَمْ اَعْلَمْ))

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم کے شر سے جو مجھے حاصل ہے اور اس علم کے شر سے بھی جو ابھی تک مجھے نہیں پہنچا۔''

اور تکبر نفس کیا چیز ہے؟ اس کی تشریح بھی احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِه مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ " قَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُه' حَسَنًا وَنَعْلُه' حَسَنًا قَالَ : "اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ـ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ))[1]

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) اگر کوئی اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا پسند کرتا ہے، تو کیا اس کو بھی تکبر میں شمار کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو نام ہے حق بات قبول نہ کرنے کا اور دوسروں کو حقیر جاننے کا۔''

بہر نوع! عنایت اللہ سبحانی کی کتاب کے مذکورہ بالا اقتباسات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ان کی نگاہ میں احادیث رسول ﷺ، ان کی تحفیظ اور تشریح وتبیین میں زندگیاں کھپا دینے والے عظیم محدثین کرام کی متفقہ آراء اور فیصلوں کی اہمیت ووقعت، نام نہاد ''علماءِ اصول'' کے مقابلہ میں پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ اور یہ

[1] صحیح مسلم/ کتاب الایمان/ باب تحریم الکبر و بیانه، حدیث: ۲۶۵

کہ رجم کے سلسلے میں خوارج کے نظریہ کی تائید وتوثیق کرنے کے لیے یہ لوگ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں......!

آیئے دیکھیں! ''صحابیت'' کے بارے میں احادیث کے سب سے بڑے شارح اور حافظِ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کیا کہتے ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا فیصلہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے " مقدمة الاصابة " میں صحابی کی تعریف اس طرح کی ہے:

((وَالصَّحَابِيُّ مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُؤمِنًا وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَيَدْخُلُ فِيهِ مَنْ لَقِيَه' طَالَتْ مَجَالِسُه' أَوْ قَصُرَتْ وَمَنْ رَوَى عَنْهُ أَوْلَمْ يَرْوِ وَمَنْ غَزَامَعَه' أَوْلَمْ يَغْزُ وَمَنْ رَاٰهُ رُؤْيَةً وَلَوْ لَمْ يُجَالِسْهُ وَمَنْ لَمْ يَرَه' لِعَارِضٍ كَالْعَمْيِ))[1]

''اور صحابی وہ شخص ہے جس نے حالتِ ایمان میں نبی ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت ہوئی۔ اس تعریف میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے آپ سے ملاقات کی۔ اسے آپ کی ہم نشینی طویل ملی ہو یا کم۔ اس نے آپ ﷺ سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو اور آپ کے ساتھ جہاد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور وہ بھی جس نے ایک نظر آپ ﷺ کو دیکھ لیا اگرچہ اسے آپ ﷺ کی ہم نشینی نہ بھی ملی ہو۔ اور وہ بھی (درجۂ صحابیت میں شمار ہوگا) جو مجبوری کی وجہ سے آپ کو دیکھنے سے قاصر رہا ہو، جیسے اندھے پن کی مجبوری۔''

اس تعریف کے لحاظ سے شرفِ صحابیت کے لیے صرف دو چیزوں کا ہونا ضروری قرار پاتا ہے۔ ایک یہ کہ حالت ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو۔ دوسرے اس کی زندگی کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہوا ہو۔ ان دو کے علاوہ صحابیت کی تیسری کوئی شرط نہیں، نہ عمر کی، نہ روایت کی، نہ حضور کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے کی نہ طویل ہمنشینی کی اور نہ کوئی دیگر شرط!

[1] مقدمة الاصابه حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ ج: ١، ص: ٤

شرح العقائد للنسفی کے حاشیہ پر ملا زادہ نے صحابی کی تعریف یوں کی ہے:

((اَصْحَابٌ جَمْعُ صَاحِبٍ اَوْ جَمْعُ صَحْبٍ مُخَفَّفٍ۔ صَحْبٌ بِمَعْنٰی صَاحِبٍ وَھُوَ مَنْ رَآی النَّبِیَّ ﷺ مُؤْمِنًا بِہٖ سَوَاءٌ کَانَ فِی حَالِ الْبُلُوْغِ اَوْ قَبْلَہٗ صحبتہ اَمْ لَا))[1]

"اصحاب، صاحب کی جمع ہے یا صحب کی۔ جو کہ صحب بمعنی صاحب کا مخفف ہے اور وہ ایسا شخص ہوتا تھا جس نے نبی ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے ان کو دیکھا ہو۔ چاہے زمانہ بلوغ میں یا اس سے پہلے۔ اس نے یہ کہا ہو کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے یا نہ کہا ہو۔"

اس تعریف میں بھی صحابی ہونے کے لیے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے دیدار کو کافی بتایا گیا ہے خواہ کسی بھی عمر میں نصیب ہوا ہو۔ بالغ یا نابالغ ہونے کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تو عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اس حسنِ ظن کی بنا پر صحابہ میں شمار کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے نومولود بچوں کو آپ کی خدمت میں لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی تحنیک فرماتے۔ ان کے نام رکھتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کے جو بچے بھی عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے ان کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ضرور دیکھا ہوگا۔ اور بس ان کے صحابی ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔[2]

محدثین کے موقف سے انحراف کے نتائج

جو لوگ صحابی ہونے کے لیے ایمان کے ساتھ حضور ﷺ کی طویل صحبت ہونے اور غزوات نبوی میں شرکت کی لازمی شرط لگاتے ہیں ان کا یہ قول امام بخاری، حافظ ابن

[1] حاشیہ شرح العقائد للنسفی رحمہ اللہ ص: ۱۶۱

[2] "الاصابة" حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ ج: ۱، ص: ٤

حجر عسقلانی، حافظ ابن عبدالبر، ملا علی قاری، ملازادہ اور دیگر محدثین عظام رحمہم اللہ جمیعاً نے قطعاً تسلیم نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں نہ صرف وہ تمام صحابہ کرام غیر صحابی قرار پائیں گے جن کی عمریں وفاتِ نبوی کے وقت چار، چھ سال یا اس سے کچھ زیادہ رہی ہوں، بلکہ خود نواسۂ رسول حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی شرف صحابیت سے محروم سمجھے جائیں گے، کیونکہ ان کی عمریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت علی الترتیب آٹھ اور سات سال سے زیادہ نہیں تھیں۔ ان میں سے ایام رضاعت کے دو ڈھائی سال کم کر دیئے جائیں تو ان کی صحبت رسول کی مدت اور گھٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کی شرط کا تعلق ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بچوں کو جہاد پر لے جانے سے گریز فرماتے تھے، اس لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرنے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح اس شرط کے لگانے سے بھی ان دونوں نواسۂ رسول کا شرفِ صحابیت مجروح ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو وفاتِ رسول کے وقت دس سال کے تھے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے کثیر الروایات صحابی بھی غزوات میں شرکت کی شرط کے بعد ''صحابی'' کہلانے کے مستحق نہیں رہتے۔

اس طرح جناب عنایت اللہ سبحانی کے اس خود ساختہ اصولِ صحابیت کی زد میں نہ جانے کیسی کیسی ہستیاں آ جائیں گی۔ حالانکہ اُمت مُسلمہ کے نزدیک نہ صرف حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی صحابیت متفق علیہ ہے، بلکہ عبداللہ بن زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما وغیرہ بھی شرفِ صحابیت میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے تو باوجود کمسنی کے کم از کم تین مرفوع حدیثیں محدثین کرام نے نقل کی ہیں۔ ان میں سے دو روایتیں ہم سنن کبریٰ کے حوالہ سے پیش کر رہے ہیں۔

① ((عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ وِتْرِيْ اِذْ رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ...... الخ))[1]

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی ج: ۳، ص: ۳۸، ۳۹

"(حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں جب میں نے اپنا سر (رکوع) سے اٹھایا اور (نماز کے ارکان میں سے) سجدوں کے سوا کچھ باقی نہ تھا یہ دعا سکھائی۔((اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْ مَنْ ھَدَیْتَ..... الخ))

۲ ((قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ مَا تَذْکُرُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ کَانَ یَقُوْلُ دَعْ مَا یُرِیْبُكَ))[1]

"(ابو الحوراء کہتے ہیں کہ) میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی بات یاد ہے؟ تو انہوں فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:" دَعْ مَا یُرِیْبُكَ "(جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو۔)

جناب عنایت اللہ سبحانی کے اس مفروضے کو درست تسلیم کر لینے کے بعد کہ صحابی وہ نہیں ہے جس نے حالتِ ایمان میں صرف ایک نظر حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کی موت ہوئی ہو بلکہ صرف وہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت پائی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ ذہن میں کئی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد "عام الوفود" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے بے شمار وفد آنے لگے۔ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاتے تھے اور پھر اک دو روز قیام کر کے دینِ اسلام کے ضروری امور و مسائل حضور سے دریافت کرنے اور سیکھنے کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ ان وفود میں سے بیشتر ایسے تھے، جن کو دوبارہ مدینہ منورہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اور صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ تو کیا یہ سارے لوگ شرف صحابیت سے محروم کہلائیں گے؟ یہ لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا تھا، اگر سبحانی صاحب کی شرائط کے مطابق "صحابی" نہیں تو پھر انہیں کیا کہیں گے؟ تابعی؟ تبع تابعی؟ یا پھر ہماری آپ کی طرح عام مسلمان؟ ظاہر ہے کہ ہم اور آپ

[1] سنن الکبریٰ للبیہقی ج : ۵، ص : ۳۳۵

نے تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اور وہ لوگ کسی طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ فارسی کا مقولہ ہے؛ شنیدہ کے بود مانند دیدہ! یعنی سننے والا شخص دیکھنے والے کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ بہر حال ان کو بطور امتیاز کوئی نام تو دینا ہی ہوگا؟ اور پھر صحبت، ایک آن کی بھی اصولی طور پر صحبت ہی کہلائے گی اور طویل مدت کی رفاقت اور ساتھ بھی صحبت میں ہی شمار ہوگا۔ ٹھیک اس طرح کہ اگر کوئی ہمیں سر راہ ایک منٹ کے لیے ملا ہو تو بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ فلاں سے ملاقات ہوئی تھی اور جس شخص نے گھنٹوں ملاقات میں وقت صرف کیا ہو اسے بھی ہم اسکے طول اور مدت سے قطع نظر لفظ ملاقات ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح چند لمحوں کی ملاقات بھی صحبت میں داخل ہے اور عرصہ دراز کا ساتھ بھی صحبت و رفاقت میں شمار ہوتا ہے۔

البتہ: دونوں قسم کی کیفیت صحبت، مدارج اور اس کے فوائد و مراتب اور مناقب الگ الگ ہوں گے۔ جس نے زیادہ دنوں تک صحبت اٹھائی ہوگی وہ اس شخصیت سے زیادہ مستفید ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے اس کی اہمیت اور مرتبہ بھی بلند ہوگا۔ اور جس نے نسبتاً کم مدت فیض حاصل کیا اسی لحاظ سے اس کا رتبہ کم ہوگا۔ کسی بادشاہ کے درباری ہونے کی نسبت سے اس کے مصاحبینِ خاص اور عام درباریوں میں صحبت شاہی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ دونوں ہی بادشاہ کے ہم نشینوں میں شمار ہوتے ہیں، مگر مرتبہ کے لحاظ سے عام درباری اور مصاحبین خصوصی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح تمام حضرات صحابہ کرام نفس صحبت کے لحاظ سے یکساں طور پر ''صحابی رسول'' ہیں، مگر ان کے باہمی مراتب اور درجات میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ کچھ لوگ ان میں سے السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔ کچھ صحابہ کو ''بدریت'' کا تمغۂ امتیاز حاصل ہے اور بہت سے صحابہ " بیعت الرضوان " میں شرکت والے شرف سے ممتاز ہیں۔ کچھ مخصوص صحابہ کو ''عشرۃ مبشرہ'' کہا جاتا ہے اور بہت سے صحابی جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے ''طلقاء'' میں شمار ہوتے ہیں......! کیا ان سب کو محدثین نے ایک برابر اور ایک ہی درجہ کا ''صحابی'' قرار دیا ہے......؟

احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق ''حجۃ الوداع'' کے مبارک موقع پر کم و پیش ایک لاکھ پچیس ہزار ''صحابہ کرام'' کا مجمع تھا۔ کیا یہ سارے کے سارے ''صحابی'' کہلانے والے افراد ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ''حاضر باش'' ہوتے تھے؟ اس وقت تو مدینہ کی کل آبادی بھی چند ہزار سے زیادہ نفوس پر مشتمل نہ تھی۔ پھر کیسے ان سب شرکاء حجۃ الوداع کو تمام محدثین اور مؤرخین نے ''صحابہ'' میں شمار کر لیا، جبکہ عنایت اللہ سبحانی صاحب کے فلسفہ کے مطابق شرفِ صحابیت کے اطلاق کے لیے ہمہ وقت کی صحبت بلکہ طویل مدت صحبت اور شرکت غزوات اشد ضروری ہے...... کیا یہ تمام شرائط ''حجۃ الوداع'' کے سب شرکاء میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں..........؟؟

فصل پنجم

فقہاء اور محدّثین کا صحیح موقف

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا موقفِ رجم

محدّثِ شہیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب "مشکلات القرآن" کا مندرجہ ذیل اقتباس جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اپنے موقف انکارِ رجم محصن کے سلسلے میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا جو بطور حد قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے، وہ کسی مخصوص حالات کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر بکر ثیب، محصن و غیر محصن اور شادی شدہ یا غیر شادی شدہ سب کے لیے ہے اور ان سب پر لاگو ہوگی۔" دوسرے یہ کہ: "سو کوڑوں کی سزا ہی اصل حد زنا ہے۔ اور رجم کی حیثیت ایک ثانوی سزا کی ہے۔ گویا یہ قاضی اور امام کی صواب دید پر ہے۔ وہ جس مجرم کو مناسب سمجھے، رجم کرائے اور جس کو مناسب سمجھے سو (۱۰۰) کوڑے لگوا کر چھوڑ دے۔ دوسرے لفظوں میں اس کی حیثیت اصطلاحی معنوں میں حد کی نہیں بلکہ تعزیر کی ہے۔"[1]

آیئے دیکھیں! علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی عبارتوں کا جو مطلب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اخذ کیا ہے وہ کس حد تک درست ہے اور کہاں سبحانی صاحب کی فہمِ رسا نے ٹھوکر کھائی ہے؟؟

علامہ کشمیری رحمہ اللہ "مشکلات القرآن" میں سورۂ نور کی آیت ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾[2] کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((وَالَّذِیْ يَظْهَرُ فِیْ حَدِّ الزِّنَا اَنَّه' اِنَّمَا تعرضُ لِلْجلْدِ صَرِيْحًا وَ لِلرَّجْمِ اِيْمَاءً فِی الْمَائِدَةِ لِلتَّرْغِيْبِ فِیْ تَقْلِيْلَةٍ حَتّٰی ندب تلقينه

---

[1] "حقیقت رجم" عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۲۶ [2] آیت: ۲ ...... "بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) درّے مارو...... الخ"

الرُّجوع وَاعْتَنیٰ بِہٖ الشَّرْعُ وَالْجلْدُ لَا بُدَّ مِنْهُ وَكَانَ الشَّرْعُ رَغَّبَ فِيْهِ فَاَعْلَنَه' بِخِلَافِ الرَّجمِ فَاَوْمَا اِلَيْهِ ثُمَّ التَّغْرِيْبُ وَكَاَنَّهٗ بَدْلُ الْحَبْسِ وَالرَّجْمِ زَائِدَانِ عَلَيْهِ قَدْ يَكُوْنَانِ وَقَدْ لَا))[1]

''جو چیز حدِ زنا کے سلسلے میں سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کوڑے لگانے کا حکم تو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور رجم کا حکم سورۂ مائدہ میں اشارۃً بیان ہوا ہے، اس کا منشاء اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ رجم کو کم سے کم نافذ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس پر یہاں تک ابھارا گیا ہے کہ زانی کو اپنے اعتراف سے رجوع کر لینے کی تلقین کی جائے اور شریعت نے اس کا لحاظ بھی کیا ہے، البتہ کوڑے لگانا ناگریز ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے۔ اس لیے واضح لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف رجم کی طرف محض اشارہ کیا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ جلاوطنی جو غالباً قید کے قائم مقام ہے اور رجم کے، یہ دونوں سزائیں کوڑوں کے علاوہ ہیں۔ یعنی کبھی نافذ ہوں گی اور کبھی نہیں بھی ہوں گی۔''

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا عبارت میں حدِ زنا کی یہ تشریح کی ہے کہ **جلد** یعنی کوڑے لگانے کا حکم تو قرآن میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، البتہ رجم کے لیے اشارہ سورۂ مائدہ میں موجود ہے۔ اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے خیال کے مطابق دونوں قسم کی حدودِ زنا کی تبیین میں **جلد** کے صریحًا اور رجم کے لیے ایماءً کی تفریق کا مقصد صرف یہ ہے کہ رجم کو کم سے کم نافذ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنے اس خیال کی تائید میں شریعت کے اس اصول کو پیش کیا ہے جس میں زانی کو اپنے اعتراف سے رجوع کر لینے کی تلقین کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مشکلات القرآن'' کے صفحہ نمبر: ۲۱۳ پر بلاشبہ زنا کی ناگزیر سزا سو کوڑے بتائی ہے۔ <u>مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سزائے رجم کا انکار کرتے ہیں</u>، بلکہ انہوں

[1] ''مشکلات القرآن'' علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ص: ۲۱۳

نے اس موقع پر حدیث نبوی ﷺ ((خُذُوْا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي)) کی ہدایت کے مطابق اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شادی شدہ زانی اور غیر شادی شدہ کے لیے پہلے کوڑے لگانا ناگزیر امر ہے۔ پھر اس کے بعد غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے بطور تعزیر جلا وطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ کو رجم کی سزا ہوگی۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے الفاظ میں:

((ثُمَّ التَّغْرِيْبُ وَكَأَنَّهُ بَدَلُ الْحَبْسِ وَالرَّجْمِ زَائِدَانِ عَلَيْهِ قَدْ يَكُوْنَانِ وَقَدْ لَا)) [مشکلات القرآن ص: ۲۱۳]

''پھر جلا وطنی، جو قید کی قائم مقام ہے اور رجم ۔ یہ دونوں سزائیں کوڑوں کے علاوہ ہیں۔ یعنی کبھی نافذ ہوں گی اور کبھی نافذ نہیں ہوں گی۔''

علامہ کشمیری کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جلا وطنی کا شمار چونکہ حد کے بجائے تعزیر میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا نفاذ تو قاضی یا عدالت کی صواب دید پر ہوگا اور سزائے رجم بھی .... باوجود حد شرعی ہونے کے .... بعض مخصوص حالات میں نافذ نہیں ہوگی۔ اور وہ مخصوص حالات کیا ہو سکتے ہیں؟ ان کی تشریح بھی علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ''مشکلات القرآن'' کے اسی صفحہ نمبر ۲۱۳ پر فرما دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

((وَقَدْ يَسْقُطُ الرَّجْمُ بِشُبْهَةِ الْمَحَلِّ وَالْفِعْلِ وَالْعَقْدِ وَالدَّعْوٰى بِأَنَّهَا زَوْجَتُه' وَإِنْ كَانَتْ زَوْجَةً لِغَيْرِهٖ وَإِنْ بِدُوْنِ بَيِّنَةٍ))

''اور رجم ساقط ہو جاتا ہے، اگر محل میں یا فعل میں یا عقد میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے یا وہ یہ دعویٰ کر دے کہ وہ اس کی بیوی ہے، اگرچہ فی الواقع وہ کسی اور کی بیوی ہو۔ اور اگرچہ اس کے دعویٰ کے لیے کوئی ثبوت نہ ہو۔''

تقریباً اسی سے ملتی جلتی بات علامہ کشمیری نے ''فیض الباری'' میں ''باب رجم المحصن'' کے تحت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

((إِنَّ أَصْلَ الْحَدِّ فِيْهِ مَا ذَكَرَهُ الْقُرْآنُ وَهُوَ الْجَلْدُ ، أَمَّا الرَّجْمُ فَحَدٌّ الثَّانَوِيّ))

”زنا کے سلسلے میں بنیادی حد وہی ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔ رہا رجم کرنا؟ تو وہ بھی حد ہے۔ مگر اس کی حیثیت ثانوی ہے۔“

پھر اس بات کی مزید تشریح انہوں نے ”فیض الباری جلد چہارم“ میں اس طرح کی ہے:

((فَكَانَ الْجَلْدُ حَدًّا مَقْصُوْدًا لَا يُنْفَكُّ عَنْهُ رِجَالٌ وَاَمَّا الرَّجْمُ فَهٰذَا وَاِنْ كَانَ حَدًّا لٰكِنَّ الْمَقْصُوْدَ دَرْؤُهُ مَتٰى مَا اَمْكَنَ))[1]

”لہٰذا کوڑے لگانا تو حد مطلوب ہے جو کسی حال میں نہیں چھوڑی جاسکتی اور رہا رجم تو وہ بھی اگرچہ حد ہی ہے، مگر شریعت کا منشاء یہ ہے کہ حتی الامکان اسے ٹالنے کی کوشش کی جائے۔“

”فیض الباری“ کی ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ خدانخواستہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ بھی خوارج اور فراہی مکتب فکر والوں کی طرح شادی شدہ زانی کے رجم کے منکر ہیں۔ بلکہ وہ یہاں صرف یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ((خُذُوْا عَنِّيْ ، خُذُوْا عَنِّيْ)) کی تصریح کے مطابق غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں قسم کے مجرمینِ زنا کو ہر صورت میں پہلے سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد صورتحال کے مطابق اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے جلاوطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے رجم کیا جائے گا۔

البتہ: ((اِدْرَؤُوا الْحُدُوْدَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ)) والی حدیث کے پیش نظر رجم کو حتی الامکان ٹالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس لحاظ سے اصل حد، جو ٹالی نہیں جاسکتی جلد یعنی کوڑوں کی سزا ہے۔ اور رجم کی حیثیت ثانوی سزا ہے، جس کو مخصوص حالات میں ٹالا بھی جاسکتا ہے۔ اور ان مخصوص حالات کا ذکر بھی علامہ کشمیری نے اپنی کتاب ”مشکلات القرآن“ کے صفحہ نمبر ۲۱۳ پر وضاحت سے کر دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ”فیض الباری“ کی اس تحریر کا صاف مطلب یہ ہوا کہ علامہ کشمیری زانی محصن کی سزا کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

---

[1] ”فیض الباری“ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ج:۴، ص:۴۴۸

کے اس موقف کی پوری طرح تائید کرتے ہیں کہ ایسے مجرم کو رجم سے پہلے سو کوڑے ضرور لگائے جائیں گے اور اس میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ لیکن ان تینوں فقہاء کے علاوہ باقی تمام فقہاء امت کا جو یہ نظریہ ہے کہ زانی محصن کی سزا صرف ''رجم'' ہے۔ اور رجم اور سزائے تازیانہ کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اس بات کو علامہ کشمیری رحمہ اللہ تسلیم نہیں کرتے۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا

بہر کیف! ''رجم محصن'' کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا اصل موقف دیگر فقہائے امت کی بہ نسبت زیادہ ہی سخت ہے۔ جو ان کی کتابوں ''مشکلات القرآن، فیض الباری'' اور دیگر تحریروں سے واضح ہوتا ہے۔ اور وہ بس یہی ہے۔ یعنی پہلے سو کوڑے پھر رجم!

علامہ کشمیری کے فرزند اور جانشین، محدثِ جلیل حضرت مولانا انظر شاہ مسعودی مدظلہ العالی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ لہٰذا عنایت اللہ سبحانی صاحب کا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ بھی رجم محصن کے مخالفین میں سے تھے۔ مولانا انظر شاہ صاحب ہی کے الفاظ میں ''صریح علمی خیانت اور ان پر بڑا ظلم ہے۔''

مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کا نظریہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا عبیداللہ سندھی بلاشبہ دیوبندی مکتب فکر کی انتہائی اہم شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' جلد دوم میں رجم کے بارے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اس کا یہ مطلب نکالنا درست نہیں کہ وہ اجماع امت کے علی الرغم شادی شدہ زانی کے لیے سزائے رجم کے نفاذ کو غلط سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شادی شدہ افراد کے اقدامِ زنا پر رجم ہی کے قائل تھے۔ البتہ ان کے اپنے قیاس کے مطابق وہ رجم کو ''حد'' کے بجائے ''تعزیر'' میں شمار کرتے تھے۔ لیکن یہ بات اتنی اہم نہیں جس کی بنیاد پر انہیں منکرینِ رجم کا ہمنوا قرار دیا جائے۔ اسلاف کا رجم کے بارے میں جو متفقہ فیصلہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں

ان کی اس رائے کو کہ رجم حد نہیں تعزیر ہے۔ محض ان کا تفرد قرار دیا جاسکتا ہے اور بس۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کی رائے

جہاں تک امام طحاوی کی رائے کا تعلق ہے تو وہ بھی عنایت اللہ سبحانی کی تائید میں نہیں جاتی۔ کیونکہ ان کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' سے سبحانی صاحب نے جو اقتباسات اپنے موقف کی تائید میں ''حقیقت رجم'' کے صفحہ نمبر: ۲۳۳ اور نمبر: ۲۳۴ پر پیش کیے ہیں ان کے مطالعہ سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ''دعارہ'' یعنی غنڈہ گردی کی سزا جلاوطنی کو بطور تعزیر تسلیم کرتے ہیں جس کا نفاد اور مدت میں کمی وبیشی امام کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ مگر وہ بھی رجم کو تمام علمائے امت کی طرح اسی ترتیب سے حد میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم!

امام طحاوی کے یہ الفاظ پھر پڑھیے۔ فرماتے ہیں:

((مِمَّا اَمَرَبِہٖ نَفْیِ الزَّانِیِّ عَلٰی اَنَّہٗ لِلدَّعَارَۃِ لَا لِاَنَّہٗ حَدٌّ وَاجِبٌ کَوُجُوْبِ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ))

''یعنی آپ ﷺ نے اس زانی کے لیے جلاوطنی کا جو فیصلہ فرمایا تھا، وہ فیصلہ محض اس کی بدکرداری اور غنڈہ گردی کی وجہ سے تھا۔ اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ بھی کوئی حد تھی، جو اسی طرح واجب تھی جس طرح کوڑے اور رجم واجب ہے۔''

لہٰذا اس صورت میں سبحانی صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ ان کے موقف کی حمایت کرتے ہیں، کیونکر درست ہوسکتا ہے؟؟

علامہ شوکانی رحمہ اللہ پر الزام

جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے ''نیل الاوطار'' کے حوالے سے ''حقیقت رجم'' کے صفحہ نمبر ۲۳۷، ۲۳۸ پر علامہ شوکانی کی جو عبارت نقل کی ہے اور اس پر ''علامہ شوکانی کی گرفت'' کا پرکشش عنوان لگا کر یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ وہ بھی گویا رجم محصن کا انکار کرنے والوں کے ہمنوا ہیں۔ اس جھوٹ کی قلعی، سبحانی صاحب کے

دیئے ہوئے اقتباسات میں موجود ''نیل الاوطار'' کے اس اقتباس سے کھل جاتی ہے، جس میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے زنا کے مجرم کو قید اور جلا وطنی کی سزا دینے پر بحث کرتے ہوئے احادیث میں موجود جلاوطنی کی سزا اور آیتِ جلد میں اس کی عدم موجودگی کے تعارض پر بحث کرتے ہوئے خوارج کے اس استدلال کو غلط بتایا ہے، جس کی بنیاد پر خوارج رجم محصن کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

((وَلَيْسَ بَيْنَ هٰذَا الذِّكْرِ وَبَيْنَ عَدَمِهِ فِي الْآيَةِ مَنَافَاةٌ وَمَا اَشْبَهَ هٰذَا الْإِسْتِدْلَالَ بِمَا اسْتَدَلَّ بِهِ الْخَوَارِجُ عَلٰى عَدَمِ ثُبُوْتِ رَجْمِ الْمُحْصِنِ فَقَالُوْا: لِاَنَّهٗ لَمْ يُذْكَرْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ ......))

''اگر حدیثوں میں اس کا ذکر موجود ہے اور آیت میں نہیں ہے تو ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ یہ استدلال کس قدر مشابہ ہے اس استدلال سے جو خوارج نے کیا ہے اور جس کی بنیاد پر ان کا دعویٰ ہے کہ محصن کا رجم کیا جانا ثابت نہیں ہے، ان خوارج کی دلیل بھی یہی ہے کہ کتاب الٰہی میں اس کا ذکر نہیں............''

''نیل الاوطار'' کی وہ پوری عبارت جس کے کچھ الفاظ سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ امام شوکانی رحمہ اللہ ''رجم محصن'' کے سلسلے میں ''اجماعِ اُمت'' سے یک سر مو بھی ہٹے ہوئے نہیں ہیں۔ انہوں نے تو اس قدر زوردار الفاظ میں خوارج کے انکار رجم محصن کے تمام دلائل کی تردید اور بطلان کیا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی............!

امام بخاری رحمہ اللہ پر نظرِ عنایت

امام بخاری رحمہ اللہ نے '' کتاب الحدود '' کی ابتدا" لا یزنی الزانی وهو مومن " کی حدیث سے کی ہے۔ جس میں سب سے پہلے زنا کا تذکرہ ہے۔ یعنی فعلِ زنا میں مشغولیت کے دوران ایمان اٹھا لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسی انداز سے سرقه اور

---

[1] نیل الاوطار: جلد ۷، ص: ۸۹، طبع دار الریان للتراث والحدیث بالقاهره

شرب الخمر کا ذکر کیا گیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کی مناسبت سے پہلے تو زنا، چوری اور شراب پینے سے متعلق رفع ایمان کی احادیث تحریر کی ہیں اور ان احادیث کو مختلف ابواب کے تحت علی الترتیب تسلسل سے پیش کرتے چلے گئے ہیں۔اسی طرح "باب توبة السارق" کے فوراً بعد ہمیں بخاری میں "کتاب المحاربین عن الکفر والردّہ" کا عنوان نظر آتا ہے، جس میں ابو قلابہ الجرمی کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت درج کی گئی ہے جس میں مرتد ہونے والوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا ذکر ہے۔اس کے بعد "اثم الزناة" اور "رجم المحصن" کے ابواب ہمیں بخاری میں ملتے ہیں۔جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ زنا اور رجم المحصن سے متعلق ابواب "کتاب المحاربین" ہی کا ایک حصہ ہیں۔حالانکہ ایسا نہیں ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ بخاری کے اصل مسودے سے نقل کرنے والوں کی غلطی سے یہاں ''باب المحاربین'' کی جگہ ''کتاب المحاربین'' نقل ہو گیا ہے۔''باب رجم المحصن'' چونکہ اس کے بعد آتا ہے اس لیے یہ غلط فہمی پیدا ہونا لازمی ہے کہ یہ باب ''کتاب المحاربین'' ہی کا ایک حصہ ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ مضمون کی مناسبت سے ''کتاب المحاربین'' کا صحیح مقام بخاری میں "کتاب الدیات" اور "استتابه المرتدین" کے درمیان ہونا چاہیے تھا، مگر ''کتاب الحدود'' کے تحت محاربین اور مرتدین کی سزا کا تذکرہ امام بخاری نے شاید اس لیے کرنا مناسب سمجھا ہو گا کہ ان لوگوں کے جرائم کی سزا حدود ہی کے ضمن میں آتی ہے تعزیر میں نہیں۔کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم سورۂ مائدہ کے تحت براہِ راست دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے شاید اسی مناسبت سے یہاں "باب المحاربین عن الکفر والرّدہ" قائم کیا تھا، مگر بخاری کے اصل مسودہ سے ناقلین کی غلطی سے لفظ ''باب'' کتاب سے تبدیل ہو گیا۔اور نتیجتاً وہ ساری احادیث جو رجم اور سزائے زنا سے متعلق تھیں، سب کی سب اس باب میں ضم ہو گئیں۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو: "فتح الباری" شرح بخاری حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ج: ۱۲، ص: ۱۰۹ (طبع دار المعرفة، بیروت، لبنان)

مولانا عنایت اللہ سبحانی جیسی کثیر المطالعہ، ذی استعداد اور صاحب علم شخصیت کی نگاہ دور رس سے فتح الباری کی مذکورہ بالا عبارت نہیں گذری ہوگی بھلا؟ ہم ایسی بدگمانی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ اور نہ ہی یہ بات قرین قیاس ہوسکتی ہے کہ ان جیسا ذکی، فہیم اور فطین انسان فتح الباری کی اس آسان عبارت کا مفہوم و مدعا سمجھنے سے قاصر رہا ہوگا۔ لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی اس تصریح اور وضاحت کے بعد بھی اگر عنایت اللہ سبحانی صاحب امام بخاری رحمہ اللہ کو زور و زبردستی سے رجم محصن کے منکرین کی صف میں شامل کرنے پر مُصر ہیں تو یقینی طور پر یہ ان کی صریح دھاندلی اور امام بخاری رحمہ اللہ پر ظلم عظیم ہوگا۔ سبحانی صاحب کی یہ معاندانہ روش، دانستہ طور پر حقائق سے چشم پوشی اور انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ امام بخاری رحمہ اللہ کا دامن تقدیس اس الزام سے قطعی پاک ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور عملی نظائر، تعامل صحابہ و خلفاء راشدین اور اجماع امت کے علی الرغم کوئی دوسری رائے رکھتے ہوں یا وہ رجم محصن کے ضمن میں کسی معنی سے بھی خوارج و معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کے ہم خیال و ہمنوا ہوں۔

﴿ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

شیخ عبدالوہاب خلاف کا نکتۂ نظر

شیخ عبدالوہاب خلاف جو اصول فقہ کی مستند کتابوں جیسے ''علم اصول فقہ'' اور ''مصادر التشریع الاسلامی'' کے مصنف ہیں اور عالم اسلام کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان پر بھی یہ الزام لگانا کہ وہ بھی رجم محصن کے مخالف ہیں۔ عنایت اللہ سبحانی صاحب کی صریح علمی خیانت، تلبیس اور کھلی دھاندلی ہے۔ کیونکہ شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''علم اصول فقہ'' میں قرآنی آیت ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ کی صرف تشریح اور وضاحت کی ہے اور اس آیت کے مطابق مجرد طور پر زانی کے لیے کوڑوں کی قطعی تعداد صرف سو کوڑے، نہ کم نہ زیادہ اور اس قرآنی حکم کے قطعی طور پر ''حد زنا'' تسلیم کیے جانے پر زور دیا ہے۔ ان کے اس بیان میں شادی شدہ

زانی (زانی محصن) کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوان کی عبارت:

((قَوْلُه تَعَالیٰ فِیْ شَأنِ الزَّانِیْ وَالزَّانِیَةِ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ فَهٰذَا قَطعِیُّ الدَّلَالَةِ عَلَی اَنَّ حَدَّ الزِّنَا مِائَةُ جَلْدَةٍ لَا اَکْثَرَ وَلَا اَقَلَّ))[1]

''زانی اور زانیہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔) نہایت قطعیت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حدِ زنا سو کوڑے ہیں۔ نہ اس سے کم اور نہ اس تعداد سے زیادہ۔''

فعل زنا کی سزا مجرد طور پر قرآن مجید میں سو کوڑے بیان کی گئی ہے۔ اس بات سے انکار آخر سلف وخلف میں کس نے کیا ہے؟ اور سورۂ نور کی اس صریح آیت کی خلاف ورزی کی مجال کس میں ہے؟؟ لیکن اس آیت کی جو تشریح و وضاحت صاحب قرآن رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور آپ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے محصن اور غیر محصن کی سزائے زنا میں جو تفریق کی ہے۔ اس سے انکار کرنا کیا قرآن عظیم ہی کی ایک دوسری آیت ﴿ وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ کی صریح تکذیب نہیں ہے؟ رجم سے متعلق احادیث صحیحہ تقریباً چھتیں ۳۶ صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حزم یہ صحابہ کرام ایسے رتبے کے مالک ہیں کہ ان میں سے دو تین کی روایت بھی کسی حدیث کو تواتر کی حد تک پہنچانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔[2]

اس کے علاوہ سلف سے خلف تک تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ اس اتفاق و اجماع کا انکار عنایت اللہ سبحانی صاحب کو نہ صرف یہ کہ خوارج ومعتزلہ کی ہمنوائی کرنے والوں میں شامل کر دیتا ہے بلکہ وہ یقینی طور پر اپنی اس غلط روش کی بنا پر سورۂ نساء کی آیت تہدید کی زد میں آجاتے ہیں۔

---

[1] ''علم اصول فقہ'' شیخ عبدالوہاب خلاف رحمہ اللہ ص: ۳۵

[2] ''سزائے رجم قرآن وسنت کی روشنی میں، پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی ص: ۱۲۵، ۱۲۶ (مکتبہ اسلامی دہلی)

﴿ وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ ٱلْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِۦ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ ﴾

[النساء: ۱۱۵]

''اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہو۔ اور پھر اسے جہنم میں جھونک دیں گے، جو بدترین ٹھکانہ ہے۔''

اس آیت کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے پھر اس کے بعد بھی رسول کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدا راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے، جیسا کہ اس چور نے کیا جس کا ذکر ہو چکا۔ بجائے اس کے کہ قصور کا اعتراف کر کے توبہ کرتا یہ کیا کہ ہاتھ کٹنے کے خوف سے مکہ بھاگ گیا اور مشرکین میں مل گیا۔

فائدہ:......اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماعِ امت کا منکر اور مخالف جہنمی ہے۔ یعنی اجماعِ اُمت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر۔ جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔''[1]

اگر اس آیت کی تشریح میں '' سبیل المؤمنین '' سے مراد مفسرین کا وہ موقف لیا جائے جس میں اسے ''اجماعِ اُمت'' کا مترادف قرار دیا گیا ہے، تب بھی عنایت اللہ سبحانی صاحب اس آیت کی زد میں آتے ہیں اور اگر دیگر علماء اُمت کی تصریح کے مطابق ''سبیل المومنین'' کی تحدید صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ذاتِ مقدسہ تک رکھی جائے تو

[1] قرآن مجید مترجم شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ وتفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ص: ۱۲۷ (تفسیر سورۂ نساء)

س صورت میں بھی سبحانی صاحب، ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ کے ہدف قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ ہماری دعا ہے کہ رب عزت جناب مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب کو مثبت انداز میں سوچنے اور رجم محصن کے بارے میں اپنے خیالات کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور غرورِ علم، انانیت اور بے جا پندار سے انہیں محفوظ رکھے۔ (آمین)

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَه‘ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ))

فہرست ماخذ

۱	قرآن مجید	تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ
۲	تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی...... (مکتبہ اسلامی دہلی)
۳	تفسیر الہام الرحمٰن	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۴	مشکلات القرآن	علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۵	الفراهی وآثرهٔ فی التفسیر	ڈاکٹر معین الدین اعظمی
۶	تفسیر تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی (مطبوعہ لاہور)
۷	حواشی الفراہی علی القرآن المجید	مولانا حمید الدین فراہی (غیر مطبوعہ)
۸	الدر المنثور	علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ
۹	احکام القرآن	قاضی ابوبکر ابن العربی
۱۰	الجامع الصحیح للبخاری	امام ابوعبداللہ بن محمد اسماعیل البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ)
۱۱	الصحیح لمسلم	امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیر ی (المتوفی ۲۶۱ھ)
۱۲	سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث (المتوفی ۲۷۵ھ)
۱۳	الجامع الصحیح ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ)
۱۴	فتح الباری، شرح بخاری	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (طبع بیروت)
۱۵	فیض الباری	علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ
۱۶	بذل المجهود	(دار الکتب بیروت)
۱۷	السنن الکبریٰ	للبیهقی
۱۸	مظاہر حق	(شرح مشکوٰۃ)
۱۹	محیط المحیط	المعلم بستانی...... (طبع بیروت ۱۸۷۰ء)
۲۰	تاج العروس	سید مرتضیٰ زبیدی...... (طبع بیروت ۱۸۶۶ء)

۲۱ لسان العرب — ابن منظور افریقی ...... (طبع بیروت ۱۹۵۵ء)

۲۲ القاموس الجدید — مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ

۲۳ مصباح اللغات — مولانا عبدالحفیظ بلیاوی

۲۴ کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه — عبدالرحمٰن الجزیری (مطبوعہ مصر)

۲۵ علم اصول الفقهه — شیخ عبدالوہاب خلاف

۲۶ التعزیر فی الشریعة الاسلامیه — ڈاکٹر عبدالعزیز عامر (طبع قاہرہ)

۲۷ بدایة المجتهد — ابن رشد ...... (مطبوعہ بیروت ۱۹۸۳ء)

۲۸ حجة الله البالغه — شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ

۲۹ بدائع الصنائع — علامہ علاؤ الدین کاسانی

۳۰ احکام السلطانیہ — ابوالعلی

۳۱ ماوردی — ....

۳۲ المبسوط — علامہ سرخسی

۳۳ فتوح البلدان — للبلاذری

۳۴ احکام الاصول باحکام الرسول — حمید الدین فراہی

۳۵ اسد الغابہ — لابن اثیر

۳۶ طبقات ابن سعد — ....

۳۷ مقدمہ ابن الصلاح — ....

۳۸ شرح العقائد للنسفی — ....

۳۹ نیل الاوطار — علامہ شوکانی رحمہ اللہ

۴۰ شرح معانی الآثار — امام طحاوی رحمہ اللہ

۴۱ الاصابه — حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

۴۲ معدن الحقائق — محمد حنیف گنگوہی (مکتبہ اشرفیہ لاہور)

۴۳ سزائے رجم قرآن وسنت کی روشنی میں — پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیق

۴۴ عثمان ذوالنورین — مولانا سعید احمد اکبر آبادی

۴۵ تاریخ کی مظلوم شخصیتیں — مولانا عبدالعلی فاروقی

۴۶ حدود و قصاص — مولانا مجیب اللہ ندوی (الرشاد مئوناتھ بھنجن)

۴۷ سہ ماہی تحقیقات اسلامی — علی گڑھ

۴۸ قرآن مجید مترجم شیخ الہند محمود الحسن و تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی (مطبوعہ مدینہ منورہ)

۴۹ روح المعانی — علامہ سید محمود آلوسی.

۵۰ فتح القدیر — شرح ہدایہ...... محقق ابن ہمام حنفی

۵۱ المغنی — امام موفق ابن قدامہ مقدسی

۵۲ المحلّٰی — امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ

چند برس پہلے ایک دوست نے سعودی عرب سے شائع شدہ ایک کتاب ''اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات'' مطالعے کے لیے دی۔ یہ خالصتاً علمی نوعیت کی کاوش تھی۔ چند صفحات کے مطالعے سے معلوم ہو گیا کہ صاحب کتاب نے اپنے موضوع سے انصاف کیا ہے۔

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل کا اسلوب تحریر نہایت جاندار ہے اور وہ اپنے موقف کے حق میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔ چونکہ ادب سے ان کا گہرا تعلق ہے' اس لیے تحریر میں اعلیٰ درجے کی ادبیت اور چاشنی پائی جاتی ہے۔ نہایت سنجیدہ علمی بحث بھی ایسے پیرائے میں لکھتے ہیں کہ قاری بے اختیار پڑھتا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ کتاب کے مطالعے کے بعد ان سے غائبانہ عقیدت کا رشتہ استوار ہو گیا۔ بہت سے احباب کو ڈاکٹر صاحب کی کتاب مطالعے کے لیے دی۔ ہر کسی نے اسے پسند کیا۔ 2003ء کے اواخر کی بات ہے' ہمارے نہایت مشفق دوست جناب عبدالرشید قمر ایک روز کہنے لگے کہ آپ سب لوگوں کی کتابیں چھاپتے ہیں تو میرے بھائی کی کتابیں کیوں نہیں چھاپتے؟ میں نے کہا آپ کے بھائی کون ہیں؟ کہنے لگے ڈاکٹر ابوعدنان سہیل۔ مجھے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب ان کے عزیز ہیں۔ کہنے لگے کہ وہ انڈیا میں ہوتے ہیں اور میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے کچھ مسودے اور کتب بھیجی ہیں کہ پاکستان میں ان کے حقوق تمہارے نام ہیں اور تم انہیں شائع کرو۔ میں نے قمر صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی کتب اور مسودے بغرض اشاعت لے لیے۔ ان کی ایک کتاب ''اذکار تصوف اور تزکیہ نفس'' بالاقساط مجلّہ الاخوۃ میں شائع ہو کر داد تحسین پا چکی ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب ''انکار رجم'' اسی مجلّے میں شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جس خوبصورتی سے حدیث شریف کا دفاع کیا ہے' اس پر ہم ان کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ رب العزت ان سے راضی ہو اور اس کتاب کو ان کے لیے توشہ آخرت بنائے۔ میں جناب عبدالرشید قمر صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے مسودے مجھے اشاعت کے لیے دیئے۔ اس کے علاوہ کتاب کا سرورق لکھا۔ ہم فاضل مصنف کی سی علمی وسعت کے حامل تو نہیں تاہم ان کی اس کتاب کی اشاعت کے سبب ہم بھی امیدوار شفاعت رسول ﷺ ہیں۔

عمر فاروق قدوسی

مئی 2005

www.quddusia.com